

چیز کو تسلیم کرتا ہے کہ برات میں باجے بچانے
فضول نچوی ہے اور حلال کا کیا ہوا رزق برباد
کرنا ہے۔ مگر برادری میں یہ چیز شادی کے منہ
پر لاندی بھی جاتی ہے اور اگر یہ چیز نہ کی جائے
تو برادری جو طعن و تشنیع دے گی۔ اس کے مقابلہ
کرنے کی جرأت نہیں ہے۔ اس لئے وہ شخص
بادلی خواستہ اپنے پیٹے کی برات میں باجہ بچائیگا
تاکہ برادری خوش رہے۔ یہی حجاب رحم ہے

حجاب سو معرفت

حجاب سو معرفت یہ ہے کہ کسی شخص کو
کسی معاملہ میں صحیح علم ہی نہ پہنچا ہو۔ مثلاً
کسی شخص نے لوگوں کو یہ ترغیب دی کہ
بزرگوں کو ثواب پہنچانے اور ان کی روح کو
خوش کرنے کے لئے عرس کرنا چاہیے اور
اس کی صورت یہ ہو کہ ان کی وفات کے دن
اکیلے یا چندہ بچ کر کے دال میں گوشت ڈال کر
ایک ویگ پکائی جائے اور قوالوں کو پکا کر
طبیلے بجاوائے جائیں اور طبیلوں کی ٹھاپ کے
ساتھ ساتھ نعتیہ اشعار پڑھے جائیں اور اس
دن کبڑیاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سلام کے
لئے بیشک شوق سے آئیں۔ کجری دو زانو
بیٹھ کر حضرت کے مزار کی طرف منہ کر کے گانا
گائے اور اس کے پیچھے بیٹھ کر ہارمونیم
بجانے والا ہارمونیم بجائے۔ قوال بھی یہ سمجھتے
ہوں گے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روح بڑی
خوش ہو رہی ہے اور گانے والی کجری بھی یہ
خیال کر رہی ہے کہ حضرت کی روح گانا سن
کر بڑی خوش ہو رہی ہے اور لوگ بھی اس
نظارہ کو دیکھنے کے لئے جوق درجوق قریب کیا
بلکہ حد درجہ سے آ رہے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ کے
عرس میں شامل ہو کر ثواب حاصل کریں۔ حالانکہ یہ
سارا معاملہ ہی غلط اور خلاف شرع ہے

برادران اسلام

اصلی کھرا اور سچا دین وہ ہے جو رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کر کے دکھایا ہو
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگان دین
کی روح کو خوش کرنے کے لئے یہ طریقہ
سکھایا ہے یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
اجمیعین نے یہ طریقہ کر کے دکھایا یا آئمہ
عظام یا حضرات امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
یا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ یا امام محمد رحمۃ
اللہ علیہ نے بزرگان دین کے اس طرح پر عرس
کر کے دکھائے۔ یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی
رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بزرگوں کی روح کو
نوش کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا

نور فطرۃ کا مستور ہونا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ
علیہ نے اپنی فلسفہ شریعت کی جامع کتاب ”حجۃ
اللہ البالغہ“ میں ایک باب کا عنوان ”باب الحجب
المنامہ عن ظہور الفطرۃ“ رکھا ہے۔ اس میں ارشاد
فرمایا ہے کہ انسان کی فطرۃ کے ظہور میں سب
سے بڑے تین قسم کے مانع ہیں۔ حجاب طبع۔
حجاب رسم۔ حجاب سوء معرفت۔ جب انسان اللہ تعالیٰ
کے فضل سے کسی بادی کی صحبت میں آ جائے
اور عقیدت مندی اور ادب سے چند روز اس کی
صحبت میں رہے تو اس کی صحبت کی برکت
سے یہ حجابات رفع ہو جاتے ہیں اور نور فطرۃ
جو مستور تھا وہ چمک اٹھتا ہے۔ پھر انسان ہر
حق بات کو اپنی عقل سے مانتا ہی جاتا ہے اور
وہ خدا کے فضل سے پیغمبر کی زبان مبارک سے
جو حق کی آواز نہ برآمد ہوتی ہے۔ اس کی فوراً
تصدیق بلکہ تعمیل کرنے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ
قرآن مجید میں حق پرستوں کی اسی روش کا ذکر
ہے (فاما الذین امنوا فخذلہم ایماً تاکادھم
یستکفرون) سورہ توبہ رکوع ۱۶۔ پارہ ۱۱ ترجمہ
(جب کبھی کوئی سورہ نازل ہوتی ہے) سو جو
لوگ ایمان والے ہیں۔ اس سورہ نے ان کے
ایمان کو بڑھایا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں

حجاب طبع

حجاب طبع یہ ہے کہ انسان کی طبیعت اس
حکم الہی کی تعمیل کرنے میں آڑے آتی ہے
مثلاً ایک شخص ایسا آرام طلب ہے کہ اپنے
پنگلے کے کمرے میں بجلی کے پنکھے کے بجائے
برف کا ایک بلاک رکھا ہوا ہے اور دھاندلے
پر خش کی ٹبیاں لگی ہوئی ہیں۔ جن پر تھوڑے
تھوڑے وقفہ کے بعد پانی چھڑکا جاتا ہے۔
مٹی جوں کا موینہ ہے۔ باہر تو گویا آگ بریں
رہی ہے اور کمرے کے اندر جاکر ایسا معلوم
ہوتا ہے۔ گویا کہ کوہ مری یا ڈھلوزی میں
بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسے شخص کے لئے ایسے
سیخ اور ٹھنڈے کمرے سے نکل کر کڑکھتی دھوپ
اور بھیننے والی دھوپ میں چل کر نامہ نظر کے
لئے مسجد میں پہنچنا دشوار ہوگا۔ دفعۃً ایمانی
طاقتور ہو۔ پھر تو یہ چیز مانع نہیں ہوتی۔
بادجو دیکھ وہ نامہ کو فرض سمجھتا ہے۔ مگر تعمیل کرنے
سے اس لئے قاصر ہے کہ مسجد میں آکر نماز پڑھنے
پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ یہی حجاب طبع ہے۔

حجاب رسم

حجاب رسم یہ ہے کہ ایک شخص مطلقاً اس



پیغمبر کی مخالفت کا باعث نور فطرۃ کا کچھ جانا ہے

خطبہ جمعہ ۹ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ
۸ جولائی ۱۹۵۵ء

احمد علی صاحب خطیب جامع مسجد
شیرانوالہ لاہور

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواک یہوداً
ارینصاً انہ ارجیساً انہ ہرچہ فطرۃ پر پیدا
کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی
یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔
مراحل یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر بچہ کو قرینیت
حق کی استعداد دے کر ماں کے پیٹ سے پیدا
کرتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ جس رنگ میں
رنگے ہوئے ہوتے ہیں اسی رنگ میں اسے
رنگ دیتے ہیں۔ اب وہ بچہ یہودیت کے رنگ
میں رنگے جانے کے باعث حضرت عیسیٰ علیہ السلام
اور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کا انکار
کرتا ہے اور اگر نصرانیت کے رنگ میں ماں باپ
نے رنگ دیا ہے تو وہ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی تعلیم کا انکار کرتا ہے اور اگر مجسیت
کے رنگ میں ماں باپ نے رنگ دیا ہے تو
وہ ان تینوں انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا
شکر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اگر نور فطرۃ انسان
میں باقی رہتا تو وہ کسی پیغمبر کی تعلیم کا انکار
نہ کرتا خواہ وہ حق کی آواز موسیٰ علیہ السلام
کی زبان سے سننا یا عیسیٰ علیہ السلام یا محمد
صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک
سے سننا۔ کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام اس
ذات حق جل و علی ہی کی طرف سے نازل شدہ
حق کی آواز کو دنیا میں پھیلاتے ہیں
اور وہ دراصل ایک ہی آواز ہوتی ہے
بہت مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے
جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامد ہے پوش
من انداز قدرت را می شناسم

اگر یہ چیزیں مسلم تنظیم بزرگوں سے نقل ہو کر نہیں آئیں تو پھر بتلائیے کہ ان چیزوں کو اسلام خیال کر کے کرنا کہاں تک صحیح ہے۔

عوام کا کوئی قصور نہیں

جن چیزوں کی تفصیل اوپر عرض کر چکا ہوں یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے ثابت نہیں ہیں اور کرنے والے انہیں اسلام ہی سمجھ کر کرتے ہیں اور جو رو کے اس سے لڑتے جھگڑتے اور مار پیٹ تک تیار ہو جاتے ہیں۔ اس غلط طریقہ کے اختیار کرنے میں عوام کا کوئی قصور نہیں ہے اصلی قصور فقط انہیں لوگوں کا ہے۔ جنہوں نے عالم دین کہلا کر انہیں دین کا مفہوم غلط بتلایا۔ اسی کو حجاب سوء معرفت کہتے ہیں۔ کہ علم ہی غلط ثابت ہوا۔

اس کا علاج

جب تک انسان حجابات کے ان تینوں گروہوں سے نہ نکلے۔ اس وقت تک نام کا مسلمان تو ہوگا۔ مگر اصلی۔ کھرا اور سچا مسلمان نہیں ہوگا۔ سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کرنے والے اور آپ سے لڑنے والے وہی لوگ تو تھے جو ان حجابات کے گورکھ وھند سے ہیں پڑے ہوئے تھے۔ خوش نصیب ہو گئے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کی برکت سے اور حجابات کے گورکھ وھند سے نکل آئے۔ پھر صدق دل سے پڑھا لا اِلهَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ۔ پھر ان کے پیش نظر سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا کے اور کوئی چیز نہ رہی پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کے اشارہ پر کٹ پتی کی طرح نقل و حرکت کرتے تھے۔ اس کے سوا ان کی اصلاح کا اور کوئی علاج نہ تھا۔

اب بھی ان حجابات کے رفع کرنے کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں کی صحبت میں رہے جو اپنے بزرگوں کی صحبت میں رہتے مدیدہ تک رہ کر ان سے تربیت حاصل کر کے اپنے بزرگوں سے اپنے نصاب اصلاح باطن کی تکمیل کی سند لے چکے ہوں۔ ایسے حضرات تحریری سند تو عام طور پر نہیں دیتے۔ البتہ ان کی سند یہ ہوتی ہے کہ بیشا اب تم بھی خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کا نام سکھایا کرو۔ اس کے سوا اصلاح باطن کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صحیح مصلح کی پہچان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ ہم نے ہر چیز کی دو قسمیں پیدا کی ہیں۔ ۱۔ اصل کے مقابلہ میں نقلی چیز پائی جاتی ہے۔ ہر کھری کے مقابلہ میں کھوٹی چیز دنیا میں موجود ہے۔ اس لئے اصلاح کی گدی پر جلوہ افروز ہونے والوں میں بعض کھرے ہوتے ہیں اور بعض کھوٹے لہذا کھرے مصلح کی پہچان ضروری ہے۔ صحیح مصلح کی پہچان یہ ہے۔ ۱۔ نبر اول اگر وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پورا عالم نہ ہو تو کم از کم بقدر ضرورت دین کی اچھی خاصی واقفیت رکھتا ہو۔ اسے توحید و شرک میں تمیز ہو۔ سنت اور بدعت میں تمیز ہو اصلی دین محمدی جو دربار نبوی سے چلا تھا اور جو بعد میں اس میں ملاوٹ ہوئی ہے۔ اس کو تمیز کر نیکی صلاحیت رکھتا ہو غلط خود اس اصلی دین کا پابند ہو۔ خصوصاً ارکان خمسہ اسلام کا پابند ہو غلط اس کی صحبت میں جانے سے طبیعت کا رجحان یاد الہی کی طرف ہوتا نظر آئے اور وہ اپنی صحبت میں اپنے پیروں کو دیکھنے اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائے غلط مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بدویانہ نہ کرنے پائے غلط جب زر کا حربیں نظر نہ آئے غلط لوگوں پر اپنی حاجتوں کا اظہار نہ کرنے پائے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑی رزق عطا فرمائے اس پر قناعت کرنے والا ہو۔ ان صفات سے متصف ہونے والے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی صحبت اکسیر کا حکم کھتی ہے۔ ایسے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی صحبت انسان کو صحیح سمجھنے میں انسان بنا دیتی ہے۔ بشرطیکہ ان کی صحبت میں رہنے کی جو شرائط ہیں۔ انہیں پورے طور پر نبھائے اور وہ تین شرطیں ہیں عقیدہ۔ ادب اور اطاعت۔ جب پہلے شیخ کامل کی صفات کے آئینہ میں اپنے شیخ کو دیکھ کر اس کے ساتھ اپنی اصلاح کا تعلق قائم کیا ہے۔ اب اس کے متعلق اپنے خیالات کو مضبوط رکھے۔ اپنے ذرا ذرا سے وسوسے سے اپنے عقیدہ کو مجروح نہ کرے۔ اس کے بعد شیخ کے ادب میں فرق نہ آئے اور شیخ کامل جو دہائے اس میں اس کے علم کی بڑی تعلیم کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس طریقہ پر شیخ کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے میں دعوت سے کہتا ہوں کہ شیخ کامل کے کمالات کا عکس اس طالب کے قلب پر پڑتا ہے اور اس کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اگر خدا خواستہ شیخ کامل کی صحبت میں جا کر بھی اپنی جہالت کی بنا پر ان کے ادب پر اعتراض کرتا رہے تو پھر یہ صورت

بن جاتی ہے۔ شعر
تبدیلستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آب حیاں تشنه می آرد سکند
الحمد للہ جو چیزیں میں لکھ رہا ہوں۔ یہ سب میرے مشاہدہ میں آئی ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم
نور فطرۃ کا بجھ جانا

اس کی مثال ایسی ہے۔ جس طرح ایک بچہ ماں کے پیٹ سے تر بنا پیدا ہوا تھا مگر دنیا میں آکر بعض عوارض کے باعث وہ اندھا ہو گیا اسی طرح بعض انسان ماں کے پیٹ سے تو نور فطرۃ لاتے ہیں۔ مگر دنیا میں آکر اس قدر دیدہ و دانستہ گناہ کئے کہ گناہوں کی شامت کے باعث نور فطرۃ بالکل بجھ گیا۔ اب وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ ان کی اصلاح ہو سکے۔ اسی قسم کے لوگوں کا ذکر سورہ بقرہ کے پہلے رکوع میں ہے۔ دان الذین کفروا وسواء علیہم اذذنا نعم ام لم نذلہم ولا یؤمنون سورہ البقرہ رکوع ۱۔ پارہ ۱۔ بیشک جو لوگ انکار کر چکے ہیں۔ برابر ہے انہیں تو ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ براور ان اسلام۔ آپ نے دیکھ لیا کہ وہ لوگ ایسے اندھے ہو چکے ہیں۔ کہ انہیں سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ بنوت کی روشنی میں بھی کچھ نظر نہیں آتا۔
اللہم اعنا وادجیع المسلمین من هذا القسم ولا تجعلنا منہم امین یا اللہ العالمین

بقیہ اخلاق اور معاشرہ (۱۷ سے آگے)

بچنے کا سامان فراہم کریں اور اس کی دھرت صورت صرف یہی ہے کہ اسلام کے پیاروہ نظام۔ اخلاق کو اپنائیں اور توحید نفس اور حسن اخلاق کے حصول کی کوشش کریں۔ ہماری موجودہ سوسائٹی اس سلسلہ کی لڑائیوں کی نفیض ہے۔ میں اخلاق کی اس بنائے گئی آبادانی کے لئے موجودہ اقدار کی ایک ایک اینٹ کی ویرانی فراہم کرنا ہوگی۔ اسلامی ضابطہ اخلاق سے وابستگی نہ صرف انفرادی اخلاق کی بہبود کی ضامن ہے۔ بلکہ معاشرہ کے کی ہمہ گیر اصلاح کی برکتوں کی پینا میر بھی ہے۔ چنانچہ اخلاقیات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان افکار میں حسن خلق کو برکت قرار دیا ہے۔
الین حسن الخلق۔ حسن خلق میں برکت ہے۔

خدا مہم الدین لاہور

جلد ۱۶ جمعہ ۱۶ ذیقعد ۱۳۷۴ھ ۸ جولائی ۱۹۵۵ء نمبر ۸

قابل تقلید مثال

مشرقی پاکستان کے نئے وزیر اعلیٰ ابو حسین سرکار نے دو ایسی اشد پیش کی ہیں جو نہ صرف عوام کے لئے خوش کن ہیں بلکہ دوسرے ارباب اختیار کو بھی اسی راہ پر گامزن ہونے کی دعوت دیتی ہیں پہلی تو یہ کہ صوبائی کابینہ نے دستور یہ کے انتخاب کے لئے حصہ نہیں لیا۔ وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ صوبائی وزراء کو دوسرے کاموں کے لئے صوبہ سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ خود صوبہ کے مفاد کے برخلاف ہے۔ یہ بات بدرجہ غایت درست ہے کہ اگر کوئی شخص منصب وزارت پر فائز ہوتا ہے تو اسے چاہیئے کہ دیوری قوجہ اور انہماک سے اس کام کو سرانجام دے۔ لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔ جتنا جس کا منصب عالی ہوتا ہے اتنے ہی وہ عہدے سمیٹا ہے۔ ہمارے وزراء کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ وزارت بھی کریں اور سیاسی جماعت کی صدارت بھی۔ ڈوٹر کے لئے بھی ہواں اور کسی دوسرے قانون ساز ادارے کے ممبر بھی۔ علاوہ انہیں اگر انہیں کسی دیگر فنی یا صنعتی تنظیم کی سربراہی کی پیش کش کی جائے تو وہ بھی خوشحال قبول فرمائیں گے۔ لیکن ان چیزوں سے جہاں عوام میں عدم اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ وہاں علیٰ مفاد کو بھی نقصان عظیم پہنچتا ہے۔ فارسی میں

ہر کہ یک کرد کرد و ہر کہ دو کرد
چیزے کرد و چیزے نکرد و ہر کہ
سہ کرد هیچ نہ کرد

صوبائی وزارت ای ایک ایسی ذمہ داری ہے کہ اگر اسے بنظر عین دیکھا جائے تو دوسرے کام کی طرف نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہیں ہو سکتی۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ سابقہ دستور کے سلسلے میں ہمارے صوبائی وزراء صوبوں صوبے سے غیر حاضر رہ کر اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش رہے اور اس طرح نہ تو دستور سازی کا کام پایہ تکمیل کو پہنچا اور نہ کوئی وہ صوبہ

کی خدمت غیر حاضری کی وجہ سے سرانجام دے سکے۔ ہم انہیں مشورہ دیں گے۔ کہ اب وہ اپنے منصب جلیلہ کی قدر کرتے ہوئے دیوری سرگرمی سے اس کی طرف توجہ دیں تاکہ صحیح معنوں میں عوام کی خدمت کا حق ادا ہو سکے۔

دوسری مثال جو وزیر اعلیٰ مشرقی بنگال نے پیش کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آئندہ صوبائی وزراء ایک ہزار روپیہ ماہوار سے زائد تنخواہ نہیں لیں گے۔ یہ اقدام تعریف کے قابل ہے۔ اس سے مقتددہ اچھے نتائج نکل سکتے ہیں۔ اولاً یہ کہ اس سے عوام میں ایمان اور قربانی کی مثال قائم ہوتی ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو وزراء میں لوٹ کے لالچ کی بجائے عوام کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ ثانیاً یہ کہ قومی بچت کے زمانہ میں اس سے بہتر اقدام کیا ہوگا۔ کہ بچت گھڑے شروع کی جائے اور وزراء خود بچت کریں۔ ثالثاً یہ کہ فاضل رقم نہایت اچھے قومی مصارف میں لگ سکتی ہے۔ جن کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ رابعاً یہ کہ اپنے مخصوص قومی کاموں کو عوام کا بہترین اعتماد اور تعاون حاصل ہوگا۔

ہم ان اقدامات کا خیر مقدم کرتے ہیں اور پاکستان کے دوسرے اہلکاروں کو دعوت تقلید دیتے ہیں۔

رشتہ ستانی

راشی اور رشتہ دونوں کو مسخرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملعون قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ ملکی قانون کے اندر بھی دونوں کی گرفت کے لئے دفعات موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ لعنت کم ہونے کی بجائے روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر شخص دونوں کی بُرائی بھی کرتا ہوا ستانی دیتا ہے۔ حکومت نے بڑے بڑے پوسٹروں کے ذریعہ ان دونوں کو پاکستان کا دشمن نمبراً قرار دیا ہے۔ لیکن اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اوپر یہ پوسٹر لگا ہوا ہے۔ اور نیچے بیٹھا بابو علی الاعلان رشتہ لے رہا

ہے اور دینے والے خوشی سے یا باہلی خراستہ دے رہے ہیں۔ پاکستان بچنے کے بعد یہ لعنت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ پہلے جو ملے اس سے بچے ہوئے تھے وہ بھی اب اس کی پیٹ میں آ گئے ہیں۔ کم تنخواہ پانے والے ملازمین کو تو جانے دیجئے۔ تین ہزار روپیہ ماہوار بلکہ اس سے بھی زیادہ تنخواہ پانے والے افسروں کی بھی اس کے بغیر گزر اوقات نہیں ہوتی۔ ستمبر ۱۹۵۳ء میں پارلیمنٹ میں یہ سوال زیر بحث آیا تو حکومت کو بھی باور نہ تھا کہ تنخواہ تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی یہ لعنت ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے اور حکومت کی تمام مشینری کو اس نے بیکار بنا دیا ہے۔ وزیر اعظم مسٹر محمد علی نے اس وقت یہ اعلان کیا تھا کہ حکومت حفریب اس کے انسداد کے لئے قانون بنا رہی ہے۔ مگر یہ خواب اب تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوا۔ قانون سے نہ کبھی جلازم بند ہوئے ہیں اور نہ ہوں گے۔ بلکہ اکثر و بیش تر یہی دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ ان کی تعداد پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیا امریکہ کے قانون سے وہاں شراب نوشی بند ہو گئی۔ نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ آخر کار حکومت کو قانون منسوخ کرنا پڑا۔ اخلاق و کردار کی بندی ہی انسان کو جرائم سے روک سکتی ہے۔ خوف خدا ہی انسان کو انسان بناتا ہے۔

اگر خوف خدا نہ ہو تو انسان بدترین درندہ ہے۔ خوف خدا قرآن کی تعلیم سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر حکومت رشتہ بند کرنا چاہتی ہے۔ تو اس کو ہر اسکول و کالج۔ ہر سرکاری و غیر سرکاری دفتر اور ہر مسجد میں قرآن کی تعلیم کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ نہ صرف چھوٹے درجہ کے ملازمین کے لئے بلکہ بڑے بڑے افسروں اور وزراء کے لئے دریں قرآن میں حاضری لازمی ہونی چاہیئے۔

ہمیں امید واثق ہے کہ اس طرح چند دنوں میں رشتہ ستانی کی لعنت دور ہو جائے گی۔ اب تو زبردستی تنگ کر کے لیتے ہیں۔ پھر انشاء اللہ تھاپے کوئی زبردستی بھی دے گا تو نہ لیں گے۔

اخلاق اور معاشرہ

از جناب مبارکرامت اللہ صاحب ایم اے

یونانی فلسفہ نے گھر کو ریاست کی اکائی قرار دیا ہے۔ ریاست کا قیام گھر کے قیام پر منحصر ہے۔ اگرچہ فلاسفر یونان کے سامنے ہمارے زمانے کی طرح بڑی بڑی آبادیوں پر مبنی اور طویل و تربیع رقبہ پر پھیلی ہوئی ریاستوں کا تصور نہ تھا۔ تاہم فلسفہ ریاست مدینہ میں یونانی مفروضات اس قدر گھر کر چکی ہیں۔ کہ اگرچہ ان کی تطبیق آج کل صرف بحرف صحیح نہیں بیٹھتی۔ لیکن فلسفہ سیاسیات کا ایک طالب علم مطالعات کی ان حدود و قیود کو بھانڈ کر کسی طرح بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اسلام نے بھی گھر کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا۔ اسلامی ضابطہ اخلاق جب انفرادی اخلاق کی تشو و نا کے لئے اصول و ضوابط پیش کرتا ہے تو پیش نظر گھر کی اصلاح ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ گھر ریاست کی ایک اکائی ہے اور افراد اس اکائی کے اجزاء جب تک ہر چیز اپنی جگہ پر ٹھیک نہ بیٹھ جائے۔ گھر کی اصلاح ناممکن ہے اور جب تک گھر اصلاح یافتہ نہ ہو۔ ریاست اصلاح یافتہ نہیں کہی جاسکتی۔

مثال کے طور پر ایک ایسی ریاست جس کا ہر گاؤں گاؤں کا ہر گھر اور گھر کا ہر فرد بڑا پریشان اور افلاس زدہ ہو۔ ایک فارغ البال مریض الحال ریاست نہیں کہی جاسکتی۔ اگرچہ اجتماعی طور پر اس ریاست کی ساری گنگاں آبادی کے پاس کچھ نہ کچھ سرمایہ ضرور ہوگا اسی طرح معاشرے میں اگر افراد اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہوں گے تو یقیناً معاشرہ اخلاق سے عاری منظور ہوگا۔

ہر وہ نظام فکر جو ہمہ گیر ہونا چاہتا ہے افراد انسانی کے اذیان و قلوب کو اپنا مسکن بناتا ہے۔ اسلامی نظام فکر بھی اپنے سامنے ایک مستقل مقصد رکھتا ہے۔ اسی لئے وہ بھی سب سے پہلے افراد کے دل و دماغ کی تربیت کا سامان فراہم کرتا ہے۔

اخلاق کا وجود پہلے مذاہب میں ہی تھا لیکن محتاج تکمیل تھا۔ اسلام نے اسے مرتبہ کمال تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی وجہ ہی حکام امت کی تکمیل بیان فرمائی ہے۔ اسلامی تعلیمات نے جس طرح فضائل و زوائل اخلاق کی تشریح

کی ہے۔ ان کے نفسیاتی جائزے لئے ہیں اور معاشرے پر ان کے اثرات کو مرتب کیا ہے اس سے تہذیب اخلاق کو ایک مستقل فن کی صورت بخشی ہے اور یہ اسی کا طغور امتیاز ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ اسلام سے پہلے تمام مذاہب مکام اخلاق کی تعلیم کے علمبردار تھے۔ لیکن یہ تعلیم تکمیل طلب تھی۔ اسلام نے اسے مکمل ضابطہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اور ان کی مشق اور مزاولت کے پیہم مواقع فراہم کر کے ان کے انساب و اتحاد کی عملی صورت پیدا کی ہے۔

اسلام جس درجہ کی مثالی ریاست برپا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس ریاست کے مثالی افراد کے لئے ایک مثالی ضابطہ اخلاق پیش کرتا ہے۔ اسلام نے اخلاق کو اپنی تعلیم میں کیا مرتبہ دیا اور افراد کو ان اخلاق کے حصول کی کس قدر تاکید کی ہے۔ زیر نظر احادیث نے اس کو خوب واضح کیا ہے۔

انما بعثت لاتمکم میں مکام اخلاق کی تکمیل ہی مکام الاخلاق کی خاطر مبعوث ہوا ہوں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مکام اخلاق کی تکمیل کو اپنی بعثت کی غایت قرار دیتے ہوئے اسلام کو حسن الخلق قرار دیا ہے۔ الاسلام حسن الخلق اسلام حسن اخلاق ہی ہے اور تیز یہ فرمایا کہ :-

لا یتکمل العبد الا بایمان ایمان کی تکمیل حسن اخلاق حتی یحسن خلقہا کے بغیر نہیں۔

یعنی ایمان کامل کا حصول حسن اخلاق کے حصول کے بغیر ممکن نہیں۔ اخلاق کی یہ تکمیل کسی اور مذہب کی ضرورت کے ابطل کے لئے ایک کافی زبردست وجہ ہے۔ اس لئے کہ مقصد رسالت مرتبہ کمال کو پہنچ گیا۔ اسی وجہ سے ختم رسالت اور تکمیل اخلاق کی خلعت ایک ہی ذات گرامی کو عطا ہوئی گھر کے اندر دو طاقتیں کام کرتی ہیں

مرد اور عورت۔ اگر ایک کو دوسرے پر بہرہ علم امد تعدی کرنے سے نہ روکا جائے تو طغیان سرکشی اور بغاوت کے رونما ہونے کی صورت میں معاشرے کی اس اکائی کی ساکھ بالکل جاتی رہے گی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

وخیارکم خیارکم لسانائکم۔ تم میں سے برگزیدہ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ الطفیم لاهلہ کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ حسن اخلاق کو قدرت کا سب سے بہترین عطیہ بیان فرمایا ہے اور ارشاد ہے۔ خیر ما اعطی الرجل المؤمن بہترین شے جو ایک خلق حسن و شریفاً اعطی مؤمن کو عطا ہوئی۔ الرجل قلب سوء نے وہ حسن خلق ہے۔ صورت حسنہ اور بدترین چیز جو ایک شخص کو دی گئی وہ ایک اچھے جسم میں بڑا دل ہے۔

حسن خلق تزکیہ نفس ہی کا دوسرا نام ہے۔ مذکورہ صدر حدیث نبوی میں خلق کے ساتھ قلب کے لفظ کا استعمال ہونا لطیف اشارہ ہے کہ تزکیہ نفس انسانی قلوب کو انوار قدسی کا مظہر بنا دیتا ہے۔ اسی تزکیہ نفس کے حصول کے فن کا نام تصوف ہے۔ چنانچہ اولیائے کرام کے حالات پڑھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اس رمز کو کمال سمجھ گئے تھے۔ صفائی باطن اور تزکیہ نفس ہی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ اسلامی تعلیمات نے بھی کمالات انسانی کو پاکیزگی اخلاق پر منحصر سمجھا ہے۔ اشاعت و تبلیغ اسلام کسی کشور کشائی تیز تموار کی مرہون منت نہیں۔ بلکہ انہی اولیاء کرام کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جن کی زندگی کا ایک ایک واقعہ کتاب اخلاق کا سنہری باب ہے۔

چنانچہ آج ہم اپنی حالت پر غور کریں تو موجودہ جمود اور انحطاط اسی کاوش سے دستکشی کا منطقی نتیجہ نظر آتا ہے۔ اہل اسلام کے لئے یہ ایک لمحہ فکر یہ ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کو دیکھیں اور اپنے روشن ماضی سے اس کا مقابلہ کریں تو وہ یقیناً اس براہمنوی کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے۔ جو انہیں اپنے ہی سائے سے ڈرا رہی ہے۔

پاکستان کا مغربی طرز فکر رکھنے والا طبقہ سوڈن اور ناروے کے موجودہ معاشرتی حالات سے بے خبر نہ ہوگا۔ ضابطہ اخلاق سے عام آزادی وہاں کی معاشرتی شیرازہ بندی کے جس طرح درہم برہم کیا چاہتی ہے۔ اس کے گھناؤنے پن سے وہاں کا سنجیدہ طبقہ جس قدر تھلا اٹھا ہے۔ اس کی چیخ و پکار کی صدا بازگشت اکناف عالم میں سنائی دے رہی ہے مغرب جس تنج تجربہ سے گزر کر ایک حقیقت تک پہنچ رہا ہے۔ وہیں چاہیے کہ آئندہ نسلوں کو ان ناروا تجربات سے (باقی صفحہ ۵ پر)

جلسہ ذکر

مرتبہ چوہدری عبدالرحمن

آج مورخہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۵۵ء کو ذکر کے بعد مریاد
مدرسہ مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی نے جو تقریر فرمائی وہ درج ذیل ہے۔

اطمینان قلب کا قرآنی نسخہ

الحمد لله وحده وسلام على عباده الذين اصطفى - اما بعد
عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس کی
رضا کے ماتحت زندگی بسر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ضرورتاً سنا اختیار
دے رکھا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ میں نے اس کو جو اختیار دیا
ہے وہ انسان پھر میرے سپرد کر دے۔ انسان مٹی سے پیدا ہونے
کے باعث غیر مائل اندیش ہے۔ اس لئے اگر یہ اس اختیار کو اپنے
ہی پاس رکھے گا تو اس کو غلط طریقہ سے استعمال کرے گا۔ جس کا
لازمی نتیجہ بربادی ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ یہ اس
اختیار کو جبر سے نہیں بلکہ خوشی سے پھر میرے سپرد کر دے۔ لا اکر
فی الدین دین کے معاملہ میں جبر نہیں ہے۔ ایک مثال سے یہ
مضمون زیادہ واضح ہو جائے گا۔ ایک شخص کا ایک بچہ ہے جو تیسری
جماعت میں پڑھتا ہے۔ وہ جب تیسری جماعت کا امتحان پاس کر
لیتا ہے تو باپ بڑا خوش ہوتا ہے اور اس کو پانچ سو روپے انعام دیتا
ہے۔ بچہ اگر یہ روپیہ اپنے پاس رکھے گا تو ایک ہی دن میں ضائع
کر دے گا۔ اس لئے باپ اس سے کہتا ہے کہ یہ روپیہ میرے پاس
یا اپنی والدہ کے پاس جمع کروا دو اور روزانہ اس میں سے دو چار
پیسے خرچ کے لئے لے لیا کرنا۔ اگر بچہ ایسا کرے گا تو یہ روپے
کئی ماہ تک چلیں گے۔ اس صورت میں وہ ماں یا باپ سے پوچھ
کر خرچ کرے گا۔ مثلاً گرمی کا موسم ہے اور بچہ ماں سے پوچھتا ہے۔
کہ کیا لوں۔ ماں کہے گی کہ ایک آہن کی دیسی لاکر لے کر لو۔ اگر بچہ
والدین کا کہا نہیں مانے گا۔ تو بازار میں پانچ روپے کا نوٹ لے
کر جائے گا۔ آگے کوئی ٹھگ مل گیا تو وہ پانچ روپے لے کر روڑ پر
سے اس کی جیب بھر دے گا۔ یہ جیب بھری ہوئی دیکھ کر خوش
ہوگا۔ مگر نقصان کو محسوس نہ کرے گا۔ بعینہ اسی طرح انسان کے نیچے
نفس اور شیطان ٹھگ لئے ہوئے ہیں۔ اگر یہ اللہ کے دیئے ہوئے
اختیار کو اسی کے سپرد کر دے گا۔ تو اس کی منشاء کے مطابق زندگی
بسر کرے گا۔ اس صورت میں اس کا ہر کام عبادت تصور ہوگا۔ اگر
اپنی مرضی سے اس اختیار کو استعمال کرے گا۔ تو پھر یہ آخر آیت
مَنْ اتَّخَذَ اللَّهَ حَؤَاہَ دُکِیَا آپ نے اس شخص کو دیکھا۔ جس نے
اپنی خواہشات نفسانی کو خدا بنا رکھا (خدا کا بندہ کہلانے کا حقدار
نہ ہوگا۔ بلکہ نفس کا بندہ کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو انتقام
عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر سوتے ہیں
صبح اُٹھتے ہیں۔ رنج حاجت کے بعد مسواک کر کے وضو کرتے ہیں۔
اس کے بعد نماز کے لئے مسجد میں آ جاتے ہیں۔ مسواک کرنے سے
نماز کی قیمت ستر گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر مجھے اپنی اُمت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا
تو میں ہر نماز میں مسواک لازم قرار دے دیتا۔ وضو سے ناک اور
منہ کا نقصان دور ہو گیا۔ منہ دھویا کسل دور ہو گئی اور ہوش آ

توبہ

ازاخر چختائے

مجھ کا سنا ہے توبہ میں بہترین کھشاں توبہ بھی
بدل سکتا ہے تنظیم زمین و آسمان توبہ بھی
اٹھا سکتی ہیں یہ خاموش موجیں اسپینڈرول طغیاں
بنا سکتا ہے یہ قطرہ محیط بسکہ اس توبہ بھی
یہ مانا دسترس تجھ کو نہیں آئیں گلشن پر
مگر دامن میں رکھتا ہے ہزاروں بجلیاں توبہ بھی
بقدر حوصلہ ہوگا تقرب تجھ کو ساتی کا
بقدر ظرف پائے گا شراب ارمغان توبہ بھی
اگر ہو پسیر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ
کے گا خاکبوں سے تب حدیث عرشیاں توبہ بھی
ابھی اخلاص کا تیرے یقیں جن کو نہیں آتا
وفاکشی کا ان کی لے سکے گا امتحان توبہ بھی
اگر پیدا ہو تجھ میں آج بھی ذوق جہانباہی
تو کھلائے گا کل شاہ جہاں صاحبقران توبہ بھی
ارے بیگانہ دش ان قافلوں کو دیکھنے والے
عمل سے آج بن سکتا ہے میرکار وال توبہ بھی
وہ اک لمحہ کو جب مرد مجاہد جان دیتا ہے
اُسے ڈھونڈے گی محشر تک حیات جاوداں توبہ بھی
چمن کو روندنے والے نشیمن پھونکنے والے
بعنوانِ وگر کرتا ہے ذکر آشیاں توبہ بھی
رسول ہاشمی کی پیروی کر نیے اے اختر
بنے گا جو ہر گن گاہل کون مکاں توبہ بھی

سفر نامہ مقامات مقدسہ

(۱) از جناب خان عبدالحمید خان فیکر

کئی۔ اس صفائی اور پاکیزگی کی حالت کا نام طہارت ہے۔ اس سے طبیعت میں لطافت پیدا ہوتی ہے اور وہ یاد الہی کے لئے آمادہ نظر آتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ناپاکی کی حالت کا نام حدث ہے۔ یہ طبیعت کو یاد الہی کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی۔

اگر ہم نے نفس کے ارادے کو اللہ کے سپرد کر دیا تو ہم اس سے کہیں گے کہ اے اللہ تو سلائیگا تو سوئیگی تو جگا ئیگا تو جاگیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مراد کے شارح ہیں۔ آپ عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور بعد میں باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی مطلب ہے **يَكُنْ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثِ بَعْدَهَا**۔ یہ ہے اللہ کا دیا ہوا اختیار

اللہ ہی کے لئے سپرد کر دینا۔ کسب معاش کے لئے آپ جو کام چاہیں کریں۔ اللہ تعالیٰ صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اے میرے بندے اگر تو جسم کو غذا کھلاتا ہے تو روح کو بھی غذا بہم پہنچا۔ یعنی نماز بھی پڑھ لے۔ پہلے لوگ شام کو دانے بھنا کر کھاتے تھے۔ اب اس وقت چائے پییتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے نہیں روکتے۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ذکر الہی کا پانچ وقتہ پروگرام بھی ساتھ ساتھ جھٹا جائے۔ جب مغرب کے وقت دکان کا دروازہ بند کیا تو پاس ہی مسجد میں جا کر اگر نماز ادا کر لی تو اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے رات کو سونا ہے۔ لیکن مکان ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے ہی موت آ جائے۔ اس لئے رات کو نماز پڑھ کر سوئیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا پروگرام ہے میری ان موصوفات کا حاصل یہ نکلا۔ کہ

انسان دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے اختیار اسی کو سوئپ دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دن اور رات کی برائیوں سے بچنے کی توفیق دیتے ہیں ان کی زندگی بڑی سوہنی ہے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اختیار کو اپنے پاس رکھا اور اس کا غلط استعمال کیا۔ وہ اپنی مرضی سے قدم اٹھائیں گے۔ ان کی زندگی ناکام و نامراد ہے۔ اول قسم کے لوگوں کو فرحت و سرور نصیب ہوگا۔ ان کی تمام ضروریات زندگی اللہ اپنے فضل سے پوری کرے گا۔ **أَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ أَنْ تَكُونُوا أَقْلًا** (خبردار۔ اللہ ہی کے ذکر سے دونوں کو (ملہیان حاصل ہوتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین میں اپنے اعلیٰ درجہ والے مسلمان کو دیکھو اور دنیا میں اپنے

عزم سفر قرآن حکیم نے اگرچہ مسلمانوں کو **سَيِّدُوا فِي الْأَرْضِ** کا حکم دے رکھا ہے۔ لیکن ہم لوگ دنیاوی الجھنوں اور کاروباری تہذیبوں میں کچھ اس طرح ایک محدود دائرے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ کہ ہمیں باہر جانے کا کسی خیال ہی نہیں آتا۔ لیکن خدا کا فضل ہے کہ اب اس کی اہمیت پاکستانیوں پر عیاں ہوتی جا رہی ہے۔ اپنے کاروبار کے سلسلے میں برصغیر ہندو

۴۴ سے ادنیٰ درجے والے کو دیکھو۔ اللہ کے ذکر کی برکت سے ذاکر کو فرحت چین اور سرور حاصل ہوگا۔ یہ اللہ کی طرف سے قبولیت کی علامت ہے۔ وہ روح اور جسم دونوں کے پروگرام پر عمل کرے گا۔ اس لائن پر چلنے والے بڑے خوش نظر آتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ وال روٹی می رہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ لوگ ہیں۔ جن کے پیٹ کا دوزخ بھرتا ہی نہیں ان سے پوچھا جائے تو جواب دیں گے **هَلْ مِنْ غَيْرِ** پیٹ کا دوزخ اللہ کے نام سے بھرتا ہے۔ اگر اللہ کا نام نہ ہو تو پھر پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرتا اور **هَلْ مِنْ غَيْرِ** کی صدا دیتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دوزخ پر اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک رکھیں گے تو پھر یہ کہے گی قط قط دس بس اگر اللہ کا نام لینے کی توفیق نہ ہو تو چین نہ دولت سے دستبردار کے بڑھنے سے اور نہ زیادہ سے زیادہ زمین کے رقبہ پر قبضہ جمانے سے حاصل ہوگا۔ **وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا**۔ جو شخص میرے ذکر (قرآن) سے منہ موڑے گا اس کے لئے زندگی تنگ ہوگی۔ ان چیزوں سے چین نہیں ملتا۔ چین فقط اللہ کے نام سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اطمینان اللہ چین کی زندگی حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس قسم کے اللہ کے بندوں کی صحبت اختیار کی جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **وَالصَّبْرُ نَفْسُكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْخُلُونَ دَرَبَهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ**۔ پابند رہو کہ اپنے آپ کو نشت و برخواست میں ان لوگوں کے ساتھ جو صبح شام اپنے پروردگار کو پارسہ ہیں (اور) اس کی رضا کے طالب ہیں

پاکستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں جانے کا موسم نصیب ہوا۔ لیکن برصغیر سے باہر جانے کا شرف اس وقت حاصل ہوا۔ جب میں پہلی مرتبہ ۱۹۷۲ء میں حج بیت اللہ کے لئے سجا رہا گیا۔ اس مقدس سفر میں میں اپنے اندر ایک خاص وجدان و ذوق پاتا تھا۔ لیکن اگلے سال ۱۹۷۵ء میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ حج بیت اللہ شریف کے لئے گیا تو وہ وجہان اور لطف جو پہلی بار نصیب ہوا مفقود تھا۔ نماز روزہ کی بجا آوری کر رہا ہوں۔ مگر حالت یہ ہے کہ بر نہاں تسبیح و در دل گاؤں شہر بہر حال میں اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ چند سال سے مجھے محبت مولانا احمد علی صاحب دروازہ شیرانوالہ کا درس قرآن حکیم سلفے کی سلا نصیب ہو رہی ہے۔ اس بزرگانہ صحبت نے ایک مرتبہ پھر حج کر سنے کا شوق پیدا کیا۔ لیکن اس صورت میں کہ کسی اہل دل کی میت سفر حاصل ہو۔ چنانچہ میں نے مولانا موصوف سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ کیا ہی اچھا ہو آپ بھی شریک سفر بیت اللہ ہوں۔ مولانا نے بکمال خندہ پیشانی اور جہرانی میری اس درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اور سفر کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ یہاں تک کہ ہوائی جہاز میں نشستیں بھی مخصوص کرائی گئیں۔ لیکن عین وقت پر مولانا کی علامت کے باعث یہ پروگرام شروع کر دینا پڑا حضرت مدوح کی زبان سے حضرت مولانا حسین صاحب مدنی کے متعلق باتیں سن سن کر ان سے نام نہانہ عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ آپ کی خود نوشت سوانح حیات کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد تو میں اپنے دل میں ان کی زیارت کے لئے ایک خاص تڑپ اور کسک محسوس کرنے لگا۔ جب یہ شوق بڑھا تو میں نے اپنے ایک ہم نام کو جو لاہور کے محکمہ خوراک میں ملازم ہیں اللہ مولانا احمد علی صاحب اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے بھی نام عقیدت رکھتے ہیں اس پر آمادہ کیا کہ ہم دونوں ہندوستان جا کر مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے شرف نیاز حاصل کریں۔ چنانچہ ہندوستان جانے کے لئے پاسپورٹوں کا بندوبست کر لیا گیا۔ لیکن روانگی سے قبل بھی مناسب خیال کیا گیا کہ مولانا کی خدمت میں عریضہ تحریر کر کے

اہلِ رضوان کی صفات

انجیل مولوی محمد مقبول عالم بی اے لاہور

دارت نہیں گئے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَلُمُّوا وَجَاهَهُمْ لِيَسْبِيلِ اللَّهِ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرُ ذَرَجَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ
وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ
بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَعَلَتْ لَهُمْ مِنْهَا رِزْقًا
مُعْتَدًا (۲۱-۲۰-۱۹)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے
گھر چھوڑے اور اپنے مالوں اور جانوں
کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔
ان کے لئے اللہ کے مال بڑا اور بہرہ ہے
اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔
انہیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی
رحمت اور رضا کی اور ایسے باغات
کی جن میں ان کے لئے ہمیشہ رہنے
والی نعمتیں ہوں گی۔

گویا یہ خوشخبری ان کے لئے ہے۔ جن
کے اندر یہ صفاتیں ہوں۔

۱۔ ایمان یعنی کسی جامع فکر کو دل و جان
سے قبول کرنا یہ گویا نصب العین ہے۔ چونکہ
قرآن حکیم سے زیادہ جامع فکر انسانیت کے
لئے کوئی آئینہ نہیں۔ اس لئے قرآن حکیم ہی ایمان
کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں
میں اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کی
تعلیمات کو قبول کرنا اور انہیں اپنی زندگی کا
نصب العین بنانا "ایمان" ہے۔ اس سلسلے میں
یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اپنے نصب العین پر پکا
یقین اور اس کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے
کا حوصلہ ہی وہ "ایمان" ہے جو انقلاب انگیز
عمل کی بنیاد بنتا ہے۔ یہ ذاتی اصلاح کی منزل
(۲) ہجرت یعنی اپنے نصب العین کو

حاصل کرنے کے لئے ساری فتنہ ایک مرکز
پر جمع کرنا اور جو چیز اس راہ میں مائل ہو۔
اس سے وابستگی چھوڑ دینا۔ اس طرح مخالف
ماحول کی جگہ موافق ماحول پیدا ہو جائے گا۔
پھر عام تبدیلی اور اصلاح کا کام آسان ہو جائیگا
یہ مضبوط اجتماع پیدا کرنے کی منزل ہے

(۳) جہاد یعنی اپنے نصب العین کو قائم
کرنے کے لئے ایک پروگرام کے ماتحت جد و
جہد کرنا اور جو تکلیف بھی آئے اسے برداشت
کرنا اور اپنا سب کچھ مال اور جان اس راہ میں

قرآن حکیم نے جنت کی سوسائٹی کا جا بجا
نقشہ کھینچا ہے اور اہل جنت کی صفات بیان
کی ہیں۔ اگر انسان ان صفات کو اپنے اندر
پیدا کر لے تو وہ نہ صرف آخرت میں جنت
کا مستحق ہوگا۔ بلکہ دنیا میں بھی اچھی زندگی
بسر کر سکے گا۔

مندرجہ ذیل آیت میں ایسے ہی لوگوں
کی صفات بیان کی گئی ہیں جو دنیا میں
کامیاب ہوں گے۔ اللہ کی رحمت اور رضا
حاصل کریں گے۔ اور آخرت میں جنت کے

۴ سال ڈاکٹر وحید ان کی دختر ناصہ اور میری
ہفتیہ صاحبہ حج بیت اللہ شریف سے مشرف
ہوئے۔ خداوند کیم انہیں ایسے نیک کاموں
کی ہمیشہ توفیق دے اور استقامت بخشنے۔ آمین
تم آمین۔ ان کی انہی باتوں نے میرے دل
میں ان کا احترام پیدا کر دیا ہے۔

قیام پاکستان سے قبل برصغیر کے بڑے
بڑے شہروں بمبئی، دہلی، کلکتہ، پونا، لکھنؤ
میں شہروں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مگر قیام
پاکستان کے بعد میری دنیا لاہور۔ کراچی اور
پشاور تک محدود رہ گئی۔ مجھے سفر میں کسی
مخلص دوست کی ملاقات نہایت ضروری ہوتی ہے
اور اس طرح سفر کی صعوبتوں کو بھی انسان اٹھتی
خوشی میں مثال دیتا ہے۔ اس کے لئے میری نظر
مکرم عبدالحمید صاحب پر پڑی جن کا ذکر پہلے آ
چکا ہے اللہ کریم انہیں انکے اخلاص کا اجر عطا
فرمائے لیکن انہوں نے یہ بیل بھی منڈھے نہ چڑھ گئی
میری اہلیہ جن کو دس برس سے پتھری کی شکایت
تھی اور بعد ازاں آپریشن کر کے ایک گروہ بھی نکال دیا
گیا تھا۔ اور پتہ میں بھی پتھری ہونیکے باعث اکثر
علیل رہتی تھیں۔ جب انہیں میرے اس سفر سے
آگاہی ہوئی تو انہوں نے میرے ساتھ چلنے کا
اشتیاق ظاہر کیا۔ اس موقع پر ان کا ایک خوب یاد
آگیا۔ جس کو تقریباً ۸ برس ہو چکے ہیں۔ اس خواب
کا مقصد یہ تھا کہ ہم دونوں ایک بار پھر حج کے لئے
گئے ہیں۔ چنانچہ ان کا بھی پاسپورٹ بنا لیا گیا۔
پاسپورٹ کے بنانے میں برادر محترم عبدالحمید خاں صاحب
اور فرزند عبدالسلام سلمہ نے بڑی دود کی اللہ تعالیٰ
انہیں جزائے خیر مرحمت فرمائے (باقی آئندہ)

مہم کر لیا جائے کہ وہ ان دنوں دیوبند ہی
میں اقامت کریں ہوں گے۔
چنانچہ وسط رمضان المبارک میں مولانا کی
خدمت میں عریضہ تحریر کیا گیا کہ عبدالنظر کے
بد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف نیاز کی
آرزو ہے۔ اپنے انقادات ملاقات سے مطلع فرمائیے
اس کے جواب میں مولانا کی طرف سے جواب موصول
ہوا کہ ماہ شوال میں آپ حج بیت اللہ شریف کے
لئے حجاز جا رہے ہیں محرم الحرام تک واپسی ہوگی
مولانا کے اس جواب نے میرے شوقِ مزار
پر تازیلنے کا کام کیا اور فرما دیا کہ کیا کہ کیا
ہی اچھا ہو جو اس موقع پر میں بھی مولانا کی
میت میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوں۔ چنانچہ
میں نے فرما مولانا کی خدمت میں لکھا کہ میں
اس کو اپنے لئے نیک فال سمجھتا ہوں کہ مجھے
حرمین شریفین میں آپ کی بزرگانہ صحبت میں
سلوک و اعلیٰ انسان میرا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے
میرے عدم وادادے میں برکت دی اور
میں نے بہت جلد سامان سفر درست کر لیا
عزیز محترم ڈاکٹر عبدالوحید صاحب کا ہمیشہ یہ
اصرار رہا کہ مجھے کچھ عرصہ کے لئے باہر جانا
چاہیئے وہ تحفظ حقوق انسانی کے کمیشن کے
پاکستانی نمائندے کی حیثیت سے تقریباً ہر سال
یورپ اور امریکہ جاتے ہیں۔ اس سال بھی آپ اس
کمیشن کے اجلاس جنوا میں شرکت کے بعد ۲۹
مئی کو لاہور واپس تشریف لائے تو میں نے
اپنے سفر کا ان سے ذکر کیا تو انہوں نے فوراً
میرے سفر کا ایک پروگرام مرتب کر دیا کہ میں
اسلامی ممالک اور یورپ کی سیاحت کرتا ہوا
لندن جاؤں۔ جہاں جولائی کے پہلے ہفتہ میں
دنیا بھر کی چھپائی کی مشینوں کی نمائش ہو رہی
ہے۔ اس نمائش میں شرکت کے بعد حج کے
موقع پر حرمین شریفین پہنچ جاؤں۔

بگم ڈاکٹر وحید جو حج کے علاوہ متعدد بار
یورپ و امریکہ وغیرہ کا سفر کر چکی ہیں۔ انہوں
نے مجھے مختلف مقامات کے متعلق اپنے تجربات
سے آگاہ کیا۔ نیز کہ کس جگہ کون سا ہوٹل
مناسب رہیگا اور اندازاً اس کے مصارف کیا ہونگے۔
اجتہاد میں میں بگم وحید کو ان کی محبت
پسندی کے باعث اجنبیت کی آنکھ سے دیکھا کرتا
تھا۔ لیکن بعد ازاں نماز روزے کا پابند، باقاعدہ
زکوٰۃ ادا کرنا۔ بغیر کسی تشع اور نمائش کے نبی
روح انسان کی خدمت کرنا۔ مریضوں کے لئے
علاج و معالجہ کا بندوبست کرنا اور تعلیم و اشت
دین میں ہم تن مصروف رہنا ایسی باتیں نہ
تھیں کہ مجھ پر اثر نہ کرتیں۔ علاوہ انہیں یہ
انہیں کی بہت اور جذبہ صادق تھا کہ گزشتہ

قرآن کریم کے جامع فکر کو انسانیت کے فائدے کی خاطر غالب کرنے کی منزل ہے۔ جہاد کے متعلق حجۃ الاسلام امام دہلوی فرماتے ہیں۔ عام لوگوں کی بھلائی چاہئے والوں پر فرض ہے کہ وہ حق کے پھیلانے اور اسے چلانے اور باطل کے مٹانے اور اسے روکنے کے لئے پوری جہد و جد کریں اور اکثر یہ بات لڑائی جھگڑے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے یہ سب کام نیکی کے بہترین اعمال شمار ہوں گے۔

حجۃ البائتہ جلد اول صفحہ

جد و جہد کے دو طریق ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی۔ اجتماعی طریق زیادہ موثر ہے۔ قرآن حکیم اس کی دعوت دیتا ہے اور حضرت امام کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اس کے نین اجزا ہیں (۱) نصب العین (IDEAS) (۲) پروگرام (PROGRAMME) یا لائحہ عمل (۳) جماعت (PARTY) جب کوئی انسانی جماعت اس طریق سے جد و جہد کرتی ہے تو وہ بالآخر کامیاب ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق معاشرہ پیدا کرنے کے لئے مندرجہ بالا صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

نسخہ رحمت

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَآطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۵۱:۲۲) اس کی تفسیر اور نفاذ کا ذکر اور زکوٰۃ جو اور رسول کی اطاعت کرنا کہ تفسیر میں کیا ہے (۵۱:۲۲) نسخہ رحمت کے تین اجزا ہیں

۱۔ اپنے مولا کے ساتھ بندگی کا تعلق قائم کرنا۔ اس کی صورت نماز ہے۔ (۲) خلق خدا کے ساتھ ہمدردی کا تعلق قائم کرنا۔ اس کی صورت زکوٰۃ ہے۔ (۳) ان تحفاتی کو صحیح طور پر بنا جانے کے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رہنا۔ اس کے پاک نمونے کی پیروی کرنا۔ اس صورت کتاب و سنت پر عمل کرنا ہے۔ اصل میں دین کا خلاصہ یہ ہی باتیں ہیں اللہ تعالیٰ کو عبادت سے۔ اور خلق خدا کو خدمت سے راضی کرنا۔ اس کا پروگرام علمی رنگ میں قرآن حکیم ہے اور عملی رنگ میں سنت نبوی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دوسری جگہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی صفات بیان کرتے ہوئے یہی بات فرمائی ہے اور ان کے لئے اپنی رحمت کا وعدہ فرمایا ہے۔

مومن مرد اور مومن عورتیں!

ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں

وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے۔ زکوٰۃ دیتے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ اللہ ان پر رحم کرے گا۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (۹-۴۱)

رضوان اللہ کے تہدار

قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والوں کی صفات بیان کی ہیں۔ اور ان کی زندگی کا لائحہ عمل بتایا ہے۔ اس کے نتیجے کے طور پر انہیں جنت ملے گی۔ جس میں عمدہ باغات اور مکانات ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان صفات والے لوگ دنیا میں بھی ہر ممکن آرام پاتے ہیں اور چین حاصل کرتے ہیں۔ جسے قرآن حکیم حیات طیبہ کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ سَوَاءٌ مِّنْ دَرَجَاتٍ مِّنْهُمْ مَّنْ يَرْجُو أَجْرًا مِّنْ رَبِّهِ يَسْتَعِزُّ بِوَلَدٍ غَنِيٍّ يُلَاذِقُهُ يَكُونُ لَكُمْ مَقَرًا مِّنْ دُونِ الْمَقَرِّ (۱۰۷:۲۲) ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔

يَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِينَ! مَا لَكُمْ بَالِغِ عَرَفَاتٍ تَقُومُونَ هُنَا وَالْمُنْكَرَ دُونَ هَذَا وَتَقُولُونَ مَا لَا نَفْعَ لَكُمْ فِيهِ وَتَقُولُونَ مَا لَا يَنْفَعُنَا (۱۰۷:۲۲) اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اللہ ان پر رحم کرے گا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اللہ نے وعدہ کیا ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باخوب کامیاب بنیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اور ان کے ساتھ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اللہ ان پر رحم کرے گا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اللہ نے وعدہ کیا ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باخوب کامیاب بنیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اور ان کے ساتھ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اللہ ان پر رحم کرے گا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اللہ نے وعدہ کیا ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باخوب کامیاب بنیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اور ان کے ساتھ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اللہ ان پر رحم کرے گا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اللہ نے وعدہ کیا ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باخوب کامیاب بنیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۱۰۷:۲۲) اور ان کے ساتھ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ رہیں گے۔

۱۔ اعلیٰ معاشرے کے مردوں اور عورتوں کا پروگرام حسب ذیل ہے۔ وہ نیکی کو پھیلاتے اور برائی کو روکنے کے لئے اجتماعی جد و جہد کرتے ہیں۔ انتظامی تنقید بھی کرتے ہیں۔ اور خارجی تنقید سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۲۔ وہ ایک دوسرے کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔

۳۔ وہ نظام صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ جس سے تعلق باللہ مضبوط ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات پھیلتی ہیں۔ اور وحدت فکر پیدا ہوتی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ فکری لحاظ سے مضبوط ہو جاتا ہے اور کسی مخالفت فکر سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔

۴۔ وہ نظام زکوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ تاکہ اجتماعی طور پر مسکین کی خبر گیری ہو سکے اور کوئی شخص معاشی تنگی میں مبتلا ہو کر گراہ نہ ہو جائے۔

۵۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت کرتے ہیں۔ اور سوسائٹی کے اندر ایسی فضا پیدا کرتے ہیں۔ جس میں انصاف کرنا آسان ہو جائے۔

۶۔ اس معاشرے کی تعمیر میں مردوں اور عورتوں کا برابر حصہ ہے۔ اس لئے سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں سدا بہار باغات اور عمدہ مکانات دے گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی رضا کا تہہ۔ رضوان۔ عطا کرے گا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

۷۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۸۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۹۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۶۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۷۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۸۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۹۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۰۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ اور اسباب

دریں وفا اگر بود ز مزمہ محبت جمعہ بہ مکتبہ اور و طفل گریزے پارے (نظری)

انحضرت مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ العالی

اس شخص کی وضع قطع سے اس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ نیلے رنگ کی ایک لمبی عبا اس کے جسم پر تھی۔ جسے کمر کے پاس ایک موٹی رسی پیٹ کر جسم پر چست کر لیا تھا۔ سر پر سیاہ قلعہ (اوپر کی دیوار کی ٹوپی) تھی اور اس قدر کشادہ تھی کہ اس کے کنارے ابروؤں کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ جسم نہایت ضعیف تھا اتنا خف کہ صوف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی ابھری ہوئی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں اور قد کی درازی نے جس میں کمر کے پاس خف سی خمیدگی پیدا ہو گئی تھی یہ خف زیادہ نمایاں کر دی تھی لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی خف کا کوئی اثر اس کے چہرہ پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم رکھنے پر بھی اس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گیرائی کھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دلاویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہے۔ رنگت زرد تھی۔ رخسار بے گوشت تھے۔ جہانی ننہندی کا نام نشان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی چہرہ کی مجموعی ہیئت میں کوئی ایسی شاندار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا کہ ایک نہایت طاقتور چہرہ اس کے سامنے ہے خصوصاً اس کی نگاہیں ایسی روشن ایسی مطمئن ایسی ساکن تھیں کہ معلوم ہوتا تھا دنیا کی ساری راحت اور سکون (بہی و وسوسوں) کے اندر لگی ہے۔

چند لمحوں تک یہ شخص شمع اوچی کئے ابن سابط کو دیکھتا رہا۔ پھر اس طرح آگے بڑھا گیا اسے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ چکا ہے اس کے چہرہ پر ہلکا سا زیر لب تبسم تھا۔ ایسا دلاویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سارے اضطراب اور خوف کو مٹا سکتی ہے۔ اس نے شمالان ایک طرف رکھ دیا۔ اور ایک ایسی آواز میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ابن سابط سے کہا۔ میرے دوست تم پر خدا کی سلامتی ہو جو کام تم کرنا چاہتے ہو یہ بہتر روشنی اور

رفیق کے انجام نہیں پا سکتا۔ دیکھو یہ شمع روشن ہے اور میں تمہاری رفاقت کے لیے موجود ہوں۔ روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لینگے۔ وہ ایک لمحہ کے لئے رکا۔ جیسے کچھ سوچنے لگا ہے پھر اس نے کہا مگر میں دیکھتا ہوں تم بہت تھک گئے ہو۔ تمہاری پیشانی پر پسینہ سے تہ ہو رہی ہے۔ یہ گرم موسم بندہ کو تاریکی اور تاریکی میں ایسی سخت محنت۔ افسوس انسان کو اپنے رزق کے لیے کیسی کیسی زحمیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ دیکھو یہ چٹائی بھی ہے۔ یہ پڑے کا سیکہ ہے۔ میں اسے دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہوں۔ اس نے تکیہ دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا۔ بس ٹھیک ہے۔ اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر وہاں بیٹھ جاؤ اور اپنی طرح سنا لو۔ اتنی دیر میں تمہارا ادھورا کام پورا کئے دیتا ہوں۔ اس نے یہ کہا اور ابن سابط کے کان پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اس کی نظر وہ بارہ اس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی تو اس نے اپنی کمر سے رومال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا۔ تو اس کی آنکھوں میں باپ کی سی شفقت اور ہمتوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے نمودار ہوئے کہ ابن سابط کا دماغ متحیر ہو کر رہ گیا وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہے ایک مدھوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اس نے اجنبی کے اشارہ کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا اب اس نے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا ہے۔ اس نے پہلے وہ گھڑی کھولی جو ابن سابط نے بازوئی چابی تھی مگر نہیں بندھ سکی تھی۔ پھر وہ تھان کھول کر بچھا دیئے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے ان سب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک حصہ میں زیادہ تھے۔ ایک میں کم۔ پھر دونوں کی الگ الگ دو گھڑیاں بندھ دیں۔ یہ تمام کام اس نے اس اطمینان اور سکون کے

ساتھ کیا گویا اس میں اس کے لئے کوئی تیزی بات نہ تھی۔

پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا۔ اس نے اپنی عبا اتار ڈالی اور اسے بھی گھڑی کے اندر رکھ دیا۔ اب وہ اٹھا اور ابن سابط کے قریب گیا میرے دوست تمہارے چہرے کی نرمی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں بلکہ بھوکے بھی ہو۔ بہتر ہوگا کہ چلنے سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو۔ اگر تم چند لمحے انتظار کر سکو تو میں دودھ لے آؤں۔ اس نے کہا جبکہ اس کے چہرہ شکوہ چہرہ پر بدستور مسکراہٹ کی دلاویزی موجود تھی۔ لیکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب مٹ نہ ہو جائیں تھیں اس کے کہ ابن سابط جواب دے وہ تیزی کے ساتھ لوٹا اور باہر نکل گیا۔

اب ابن سابط تنہا تھا۔ لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قدموں میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا۔ وہ صرف متحیر اور مبہوت تھا۔

اجنبی کی ہمتی اور اس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا۔ ابن سابط کو تیر و تاثر نے سواچنے کی صفت ہی نہ دی۔ اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی دماغی شخصیت مغلوب ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا تو آہستہ آہستہ اس کا دماغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا۔ جہاں تک کہ تمام دماغی خصائص پوری طرح ابھر آئے اور وہ اسی روشنی میں معاملات کو دیکھنے لگا۔ جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ سے عادی تھا۔

وہ جب اجنبی کا تبسم چہرہ اور دلفرازی صدائیں یاد کرتا تو شک اور خوف کی جگہ اس کے اندر ایک ایسا ناقابل فہم جذبہ پیدا ہوجاتا جو آج تک اسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہے؟ اور یہ شخص ہے کون؟ تو اس کی عقل حیران رہ جاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس نے اپنے دل میں کہا یہ تو قطع ہے کہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہے مکان کے مالک کبھی چوروں کا اس طرح اشتعال نہیں کیا کرتے۔ مگر پھر یہ شخص ہے کون؟۔۔۔۔۔ اچانک ایک نیا خیال اس کے اندر پیدا ہوا وہ ہنستا استغفر اللہ۔ میں ہی کیا احمق ہوں۔ یہ جی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی۔ معاملہ بالکل صاف ہے۔ تعجب ہے۔ مجھے پہلے کیوں خیال نہیں ہوا۔ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہی

ہم پیشہ آدمی ہے اور اسی نواح میں رہتا ہے اتفاق نے آج ہم دونوں چرواہوں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا۔ چونکہ یہ اسی فوج کا کوئی ہے۔ اس لئے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہو گا۔ اسے معلوم ہو گا کہ آج مکان رہنے والی سے خالی ہے اور بے اطمینان کام کرنے کا موقع ہے۔ اسی لئے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا۔ لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو وہ آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ دے کہ ایک حصہ کا حصہ بن جائے۔

وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور اجنبی ایک لکڑی کا بڑا پیالہ ہاتھ میں لئے نمودار ہو گیا۔

یہ تو۔ میں تمہارے لئے دودھ لے آیا ہوں۔ اسے پی لو۔ یہ بھوک اور پیاس دونوں کے لئے مفید ہو گا۔ اس نے کہا اور پیالہ ابن سابط کو پکڑا دیا۔ ابن سابط واقعی بھوکا پیاسا تھا۔ بلا تامل منہ کر لگا لیا۔ ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔

اب اسے معاملہ کی فکر ہوئی۔ اتنی دیر کے وقفہ نے اس کی طبیعت بحال کر دی تھی۔

دیکھو میں اگرچہ تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور ہاتھ لگا چکا تھا اور اس لئے ہم لوگوں کے قاعدے کے بموجب تمہارا کوئی حق نہیں۔ لیکن تمہاری ہوشیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تامل نہیں کہ تمہیں بھی اس مال میں شریک کر لوں۔ اگر تم پسند کرو گے تو میں ہمیشہ کے لئے تم سے معاملہ کر لوں گا۔ لیکن دیکھو یہ میں کہہ دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے۔ اس میں تم بلبر کا حصہ نہیں پاسکتے۔ کیونکہ وہ اصل آج کا کام میرا ہی کام تھا۔ اس نے صاف آواز میں کہا۔ اس کی آواز میں اب تاثر نہیں تھا۔ حکم تھا اجنبی مسکرایا۔ اس نے ابن سابط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہر سے خالی نہ تھی۔ لیکن اس کے علاوہ بھی اس میں کوئی چیز تھی۔ لیکن ابن سابط سمجھ نہ سکا۔ اس نے خیال کیا شاید یہ شخص اس طریق تقسیم پر قانع نہیں ہے۔ اچانک اس کی آنکھوں میں اسکی خوفناک جبرمانہ زندگی کی چمک اٹھی۔ وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

بیوقوف چپ کیوں ہے؟ یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا ایک پیالہ پلا کہ اور چکنی پیڑی بائیں کر کے تم مجھے احمق بنا دو گے۔ تم نہیں جانتے ہیں کون بولی۔ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں۔ بولو اس

پر راضی ہو یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتو۔۔۔۔۔

لیکن ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے۔ اب بھی اس کے لبوں سے اس کی مسکراہٹ نہیں ہٹتی تھی میرے عزیز دوست باکیوں بلا وجہ اپنی طبیعت آزدہ کرتے ہو۔ آؤ یہ کام جلد بننا لیں جو ہمارے سامنے ہے۔ دیکھو دو گھڑیاں باغذ لی ہیں ایک چھوٹی ہے۔ ایک بڑی ہے تمہارا ایک ہاتھ ہے۔ اس لئے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔ لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھالوں گا۔ چھوٹی گھڑی تم اٹھا لو۔ بڑی گھڑی میں اٹھا لیتا ہوں۔ باقی رہا پیرا حصہ جس کے خیال سے تمہیں اتنی آزدگی ہوئی ہے تو میں یہ نہیں چاہتا کہ اس وقت اس کا فیصلہ کروں۔ تم نے کہا ہے کہ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر سکتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہے۔ ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر لو۔

ہاں اگر یہ بات ہے تو پھر سب ٹھیک ہے۔ نہیں ابھی معلوم نہیں۔ میں کون ہوں؟ پورے ملک میں تمہیں مجھ سے بہتر کوئی سردار نہیں مل سکتا۔ اس نے بڑی گھڑی کے اٹھانے میں اجنبی کو مدد دیتے ہوئے کہا۔

یہ گھڑی اس قدر بھاری تھی کہ ابن سابط اپنی پیرانی نہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے رفیق کی زیادہ جرات افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

دوست تم دیکھنے میں تجھ بڑے قبیلے پتلے سو۔ لیکن بوجھ اٹھانے میں بڑے مضبوط تھے۔ ساتھ ہی اس نے اپنے دل میں کہا۔ یہ جتنا مضبوط ہے۔ اتنا ہی عقلمند نہیں ہے۔ وہ اپنے حصے سے دستبردار نہ ہو جاتا۔ اگر آج یہ احمق نہ مل جاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر ایک دو تھانوں پر قناعت کر لینا پڑتی۔

اب ابن سابط نے اپنی گھڑی اٹھائی جو بہت ہی ہلکی تھی اور دونوں باہر نکلے۔ اجنبی کی پیٹھ جس میں پہلے سے خم موجود تھا۔ اب گھڑی کے بوجھ سے پہلے سے زیادہ جھک گئی تھی رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن ابن سابط کو قدرتی طور پر جلدی تھی۔ وہ بار بار حالکا نہ انداز سے اصرار کرتا کہ تیز چلو اور چونکہ خود اس کا بوجھ بہت ہلکا تھا۔ اس لئے خود تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی انہیں حکم کی پوری کوشش کرتا۔ لیکن اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر دوڑنا انسانی طاقت

سے باہر تھا۔ اس لئے پوری کوشش کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں۔ بار بار بوجھ گرتے گرتے رہ گیا۔ ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ کھائی کہ قریب تھا کہ گر جائے۔ پھر بھی اس نے رکنے یا سسٹانے کا نام نہیں لیا۔ گرنا پڑنا اپنے ساتھی کے ساتھ پڑنا ہی رہا۔ لیکن ابن سابط اس پر خوش نہ تھا اس نے پہلے تو ایک مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا پھر بے تامل گالیوں پر اُتر آیا۔ ہر لمحہ کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کتنا تیز چلو۔ اتنے میں چکی آیا۔ یہاں چڑھاٹی تھی۔ بہیم کرور اور ٹھکا ہوا بوجھ بے حد بھاری۔ اجنبی سنبھل نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اٹھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لٹ پڑی۔ یہ ابن سابط کی لٹ تھی۔

اس نے غصناک ہو کر کہا۔ کُتے کے بیٹے! اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاؤ کہ لایا کیوں؟

اجنبی دہنٹا ہوا اٹھا۔ اس کے چہرے پر درد اور شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس نے فوراً گھڑی اٹھا کر پیٹھ پر رکھی اور پھر روانہ ہو گیا

اب یہ دونوں شہر کے کنارے ایک ایسے حصہ میں پہنچ گئے جو بہت ہی کم آباد تھا۔ چنانچہ ایک ناممکن عمارت کا پرانا اور شکستہ سا احاطہ تھا ابن سابط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچ کر رک گیا۔ اور اجنبی سے کہا میں بوجھ آندروں پھر خود کود کر اندر گیا اور اجنبی نے باہر سے دونوں گھڑیاں اندر پھینک دیں۔ اس کے بعد اجنبی بھی کود کر اندر ہو گیا اور دونوں عمارت کے اندرونی حصہ میں پہنچ گئے۔ اس عمارت اندر نیچے ایک سرداب (تہ خانہ) تھا۔ جس میں ابن سابط نے قید خانہ سے نکلی کہ پناہ لی تھی۔ لیکن اس وقت وہ تہ خانہ میں نہیں آتا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اجنبی پر اس درجہ اعتماد کر کے اپنا اصل محفوظ مقام دکھلا دے۔ جس جگہ یہ دونوں گھڑی تھے دراصل ایک ناتمام ایوان تھا۔ یا اس پر پوری چھت پڑی ہی نہ تھی۔ یا پڑی تھی تو امتداد وقت شکستہ ہو کر گر پڑی تھی۔ ایک طرف بہت سے بھتوں کا ڈھیر تھا۔ ابن سابط اب انہی بھتوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ دونوں گھڑیاں سامنے دھری گئیں۔ ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ یکایک اجنبی بڑھا اور ابن سابط کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اب رات ختم ہونے کو تھی۔ پچھلے پہر

کا چاند درختاں تھا۔ کھلی پھت سے اس کی دھیمی اور غلط آواز شاخیں میدان کے اندر پہنچ رہی تھیں۔ ابن سابط ویدار کے سایہ میں تھا۔ لیکن اجنبی جو اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ ٹھیک چاند کے مقابل تھا۔ اس لئے اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ابن سابط نے دیکھا کہ تاریکی میں ایک درختاں چہرہ ایک نورانی تبسم ایک پڑا ہوا انداز نگاہ کی دلآویزی سامنے ہے۔

میرے عزیز دوست اور رفیق یا

اجنبی نے اپنی دنواز اور شیریں آواز میں جو وہ گھنٹے پہلے ابن سابط کو مسحور بنا چکی تھی اور بے خود کر چکی تھی۔ گنا شروع کیا۔ میں نے اپنی خدمت پروری کر لی ہے۔ اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس کام کے کرنے میں مجھ سے جو کمزوری اور سستی ظاہر ہوئی اور اس کی وجہ سے بار بار تمہیں پریشان خاطر ہونا پڑا اس کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں۔ اور تم سے معافی چاہتا ہوں مجھے امید ہے کہ تم صاف کر دو گے۔ اس دنیا میں ہماری کوئی بات بھی خدا کے کاموں سے اس قدر ملتی جلتی نہیں جس قدر یہ بات کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور بخش دیں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں تم سے الگ ہوں۔ تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ

میں وہ نہیں ہوں جو تم نے خیال کیا ہے میں اس مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات ہوئی تھی اور تم نے میری رفاقت قبول کر لی تھی۔ میری عادت ہے کہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے اس کمرہ میں جایا کرتا ہوں۔ جہاں تم بیٹھے تھے۔ آج آیا تو دیکھا۔ تم اندر سے میں بیٹھے ہو اور تکلیف اٹھا رہے ہو۔ تم میرے گھر میں عزت و جان تھے۔ افسوس کہ میں آج اس سے زیادہ تمہاری رفاقت اور خدمت نہ کر سکا۔ تم نے میرا مکان دیکھ لیا ہے۔ آئندہ جب کبھی تمہیں ضرورت ہو تم بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس چلے آ سکتے ہو۔ خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔

یہ کہا اور آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مصافحہ کیا اور تیزی کے ساتھ مل کر روانہ ہو گیا۔ اجنبی خود تو روانہ ہو گیا۔ لیکن ابن سابط کو ایک دوسرے ہی عالم میں پہنچا دیا۔ اب وہ مہووت اور ہوش تھا۔ اس کی آنکھیں کھلیں تھیں۔ وہ اسی طرف تک پہنچ گیا۔ جس طرف کہ اجنبی روانہ ہوا تھا۔ لیکن معلوم نہیں اسے کچھ سوچائی بھی دیتا تھا یا نہیں وہ پھر ڈھل چکی ہے۔ لہذا کی مسجدوں سے

جوق و جوق نمازی نکل رہے ہیں۔ دوپہر کی گرمی نے امیروں کو تہ خانوں میں اور غریبوں کو دیوار کے سایہ میں جٹا دیا تھا۔ اب دنو نکل رہے ہیں۔ ایک تفریح کے لئے اور دوسرا مزدوری کے لئے۔ لیکن ابن سابط اس وقت تک وہیں بیٹھا ہے۔ جہاں صبح بیٹھا تھا۔ رات والی دونوں گھڑیاں سامنے پڑی ہیں اور اس کی نظر میں اس طرح ان میں گہمی ہوئی ہیں گوشت ان کی تنکوں میں اپنے اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈ رہا ہے۔ بارہ گھنٹے گزر گئے۔ لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت بھی اسے محسوس نہیں ہوئی۔ وہ بھوک جس کی خاطر اس نے اپنا ایک ہاتھ کٹوا دیا تھا۔ اب اسے نہیں سلاتی وہ خوف جس کی وجہ سے سورج کی روشنی اس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہو گئی تھی۔ اب اسے محسوس نہیں ہوتا۔ اس کے دماغ کی ساری قوت صرف ایک نقطہ میں لوٹ آئی تھی اور رات والی عجیب و غریب اجنبی کی صورت جو خود اس کی نظر سے اوجھل ہو گئی۔ مگر اسے ایک ایسے عالم کی جھلک میں چھوٹ گئی۔ جو اب تک اس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا اس کی ساری زندگی گناہ اور سیاہ کاری میں بسر ہوئی تھی۔ اس نے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا تھا وہ یہی تھا کہ خود غرضی کا پھنسا اور نفس پرستی کی خنوق ہے۔ وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے رجمی سے ٹھکرا دیتا ہے۔ سخت سے سخت سزا دیتا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہے اور اس میں فیاضی بخشش اور قربانی کی بھی روح ہو سکتی ہے۔ بچپن میں اس نے بھی خدا کا نام سنا تھا اور لوگوں کو خدا پرستی کرتے دیکھا تھا۔ لیکن جب زندگی کی کشاکش کا میدان سامنے نکلا تو اس کا عالم ہی دوسرا تھا۔ اس نے قدم اٹھا دیا اور حالات کی رفتار جس طرف لے گئی۔ بڑھا ہی گیا۔ نہ تو خود اسے کبھی ہمت ملی کہ خدا پرستی کی طرف متوجہ ہوتا اور نہ انسانوں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ اسے خدا سے آشنا کرتے۔ جوں جوں اس کی شقاوت بڑھتی گئی۔ سوسائٹی اپنی سزا و عقوبت کی مقدار بھی بڑھاتی گئی۔ سوسائٹی کے پاس اس کی شقاوت کے لئے سیرجی تھی۔ اس لئے وہ بھی دنیا کی ساری چیزوں سے بے رخی کا شکار ہو گیا تھا۔ لیکن اب اچانک اس کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ آسمان کے سورج کی طرح صحت کا بھی ایک سورج ہے۔ وہ جب چمکتا ہے تو صبح اور دل کی ماری تھمکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اب یاک ایک سورج کی پہلی کرن ابن سابط کے دل کے تاریک

کوشوں پر پڑی اور وہ بیک ورم تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ گیا۔ اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی ہی نظر میں اس کے دل تک پہنچ چکی تھی۔ لیکن وہ جہالت اور گمراہی سے اس کا مقابلہ کرتا رہا۔ اور حقیقت کے فہم کے لئے تیار نہیں ہوا۔ لیکن جوہنی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اس نے اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا۔ حقیقت اپنی بدوی شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو گئی۔ اور اب اس کی طاقت سے باہر تھا کہ اس تیر کے زخم سے سینہ بچالے جاتا۔ اس نے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا کہ اجنبی بھی میری ہی طرح کا ایک چور ہے اور اپنا حصہ لینے کے لئے میری رفاقت اور اٹھا کر رہا ہے۔ اس کا ذہن یہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر غرض اور انتفاع کے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ اچھا سلوک کر سکتا ہے۔ لیکن جب اجنبی نے چلتے وقت بتلایا کہ وہ چور نہیں۔ بلکہ اس مکان کا مالک ہے۔ جس مکان کا مال و متاع غارت کرنے کے لئے وہ گیا تھا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یاک ایک بجلی آسمان سے گر پڑی یہ چور نہیں تھا۔ مکان کا مالک تھا۔ لیکن اس نے چور کو پکڑنے اور سزا دلانے کی جگہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

اس نے کیا سلوک کیا؟ کا جواب اس کی روح کے لئے ناسور اور اس کے دل کے لئے ایک دھککا ہوا انگارہ تھا۔ وہ جس قدر سوچتا روح کا زخم اور گھرا ہوتا۔ اور دل کی تپش بڑھتی جاتی۔ اس تمام عرصہ میں اجنبی کے ساتھ جو کچھ گزرا تھا۔ اس کا ایک ایک واقعہ ایک ایک حرف یاد کرتا اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک ہاتھ زخم کی چھین محسوس کرتا۔ میں اس کے یہاں چوری کرنے گیا تھا۔ میں چور تھا۔ میں اس کا مال و متاع غارت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے بھی چور سمجھا۔ اسے گالیاں دیں۔ بے رحمی سے ٹھوکر لگائی۔ گھر اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔

ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سہنا میری ہی سوال دہرانے لگتا۔ سورج ڈوب رہا تھا بغداد کی مسجدوں کے میناروں پر مغرب کی آواز کی صدا میں بلند ہو رہی تھیں۔ ابن سابط بھی لہجہ غیر آباد گوشہ سے اٹھا۔ چادر جسم پر اوڑھی اور بغیر کسی جھجک کے باہر نکل گیا۔ اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا۔ کیونکہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبہ نے لے لی تھی۔

وہ گورخ کے اسی حصہ میں پہنچا۔ جہاں محوشہ رات گیا تھا۔ رات والے مکان کے پہچاننے میں اسے بہت وقت لپٹا نہ آئی۔ مکان کے پاس ایک لکڑ مارے کا مکان تھا۔ یہ اس کے پاس گیا اور پوچھا۔ یہ سامنے جو بڑا

شرک کی ضرورت

انچوہداری عبدالرحمن خان صاحب

نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔ یہ حقیقی انسان یعنی روح کے لئے ذکر الہی کا پروگرام ہے۔ جس طرح جسم جسمانی غذا کے بغیر مضمحل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روح بھی ذکر الہی کی روحانی غذا یعنی قرآن کی تعلیم کے بغیر مضمحل ہو جاتی ہے۔ چونکہ روح کی حقیقت اور اہمیت سے عام پر انسان غافل ہیں۔ اس لئے ان کو قرآن کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ جسمانی غذا کی دکانوں پر ان غافلوں نے قدم قدم پر کھول رکھی ہیں مگر روحانی غذا کے لئے بڑے بڑے شوروں میں بھی محدودے چند دکانیں ہیں گی۔

اہمیت وہ اور ہے تو بھی یہ۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہر مسجد میں درس قرآن کا انتظام ہوتا تاکہ انسان اپنی عظمت کی غرض سے کماحقہ آشنا ہو کر صحیح معنوں میں انسان بنا جاتا۔ یہ یاد رہے کہ خوف خدا ہی انسان کو انسان بنا سکتا ہے۔ اس کے بغیر یہ بدترین درجہ ہے اور خوف خدا نہیں پیدا ہو سکتا الا بتعلیم القرآن دنیوی تعلیم کا انتظام حکومتیں بھی کرتی ہیں اور پرائیویٹ ادارے بھی۔ حکومت نے جگہ جگہ گورنمنٹ کالج اور گورنمنٹ اسکول کھل رکھے ہیں۔ انجنیوں کی طرف سے اسلامیہ کالج اور اسلامیہ سکول موجود ہیں۔ اتنی کثرت کے بعد بھی اس قسم کے تعلیمی اداروں کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نشیہ مدارس بھی جا بجا کھل رہے ہیں۔ ان سب کے علاوہ تعلیم بالخان کے مراکز بھی ہیں۔ اتنی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہے کہ ۹۰ فیصدی سے زائد پاکستانی عوام غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کی تعلیم کو دیکھیے۔ نہ حکومت اس کے لئے انتظام کرتی ہے نہ پرائیویٹ ادارے اور سرمدہ بھی۔ نہ نشیہ مدارس کا رواج ہے۔ قوم کی بوزنبون حالت ہو سکتی ہے۔ وہ ہمارے سامنے ہے۔ بظاہر پاکستان انسانوں کا ملک معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ان کو انسان کہنا انسانیت کی تینا ہے۔ کیا حقیقی انسان دھوکہ باز، فزبی، نفع اندہ، بلیک مارکیٹ کرئیرالا، چور، ڈاکو، غاصب، تانی اور شرابی ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو شرافت، دیانت، امانت، لہیت، اور ایشا کا نمونہ ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام اسی قسم کے انسان ہوتے ہیں اور اس قسم کے انسان انسانی تعلیم اور اس تعلیم کے عملی نمونے حضرات انبیاء کی صحبت سے پیدا ہوتے

انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ روح اور جسم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ان کو ملکیت اور ملکیت کے نام سے تعبیر فرماتے ہیں۔ ملکیت اور ہمیت کا ملاپ ہے تو انسان زندہ ہے۔ ورنہ مردہ۔ اس لئے روح کا جسم سے جدا ہو جانا مرگ کہلاتا ہے حقیقت میں انسان روح کا نام ہے۔ اس پہلو کو کثرت دوست کے ڈھانچہ کا نام نہیں۔ یہ ڈھانچہ اس کا لفظ ہے۔ جس طرح ملفوف اور لفظ دونوں اکٹھے ہوں تو مکتوب کہلاتے ہیں۔ لفظ کو چھڑا کر ملفوف نکال لیا جائے تو ملفوف مکتوب کہلاتا ہے اور لفظ چھڑا کر پھینک دیا جاتا ہے۔ کوئی عقلمند لفظ کو مکتوب کہنے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ اسی طرح باہام کے اندر دو چیزیں ہیں۔ اوپر پھلکا اور اس کے اندر گری۔ دونوں اکٹھے ہوں تو باہام کہلاتے ہیں۔ اگر چھلکے کو توڑ کر گری نکال لی جائے تو گری ہی باہام کہلاتی ہے۔ چھلکے کو کوئی باہام کہنے کے لئے تیار نہ ہوگا بعینہ یہی مثال حضرت انسان کی ہے۔ دراصل انسان روح کا نام ہے۔ روح اور جسم کا انحصار ہے تو دونوں کے مجموعہ کو انسان کہتے ہیں۔

جب موت کے بعد دونوں علیحدہ ہو جاتے ہیں تو اس ڈھانچہ کو انسان نہیں کہتے یہ انسان کی لاش کہلاتا ہے۔ اگر اس کا نام انسان ہوتا تو یہ توڑت کے بعد بھی سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے جٹا تک پودے کا پورا صحیح سلامت موجود ہوتا ہے۔ مگر بیوی بہن کوئی ہے کہ وہ بیوہ ہو گئی۔ مال رشتی ہے کہ اسکی گود خالی ہو گئی۔ بچے چھینٹے اور بھلاتے ہیں کہ وہ یتیم ہو گئے۔ اس وقت یہ تحقیق واضح ہوتی ہے کہ انسان روح کا نام ہے۔ جسم کا نہیں اللہ تعالیٰ چونکہ روح اور جسم دونوں کا رب ہے اس لئے اس کی ربوبیت نے دونوں کی تربیت کے ساتھ مہیا فرما دیئے اگر جسم اس زمین کی پیداوار ہے تو اس کے لئے زمین سے طرح طرح کی سبزیاں اناج اور میوہ جات پیدا کر دیئے۔ یہ چیزیں جسم کی غذائیت ہیں روح آسمان سے آتی ہے۔ اس کے لئے آسمان سے اس کی غذا کا پروگرام کبھی بصورت صحف الہیم کبھی زبور کبھی توراہ۔ کبھی انجیل اور کبھی قرآن کی شکل میں نازل فرمایا۔ ان کتب سماویہ کے علاوہ نمونہ کے طور پر انبیاء مجرور پیسے تاکہ وہ ان پر عمل کر کے دنیا کو دکھلا سکیں۔ پہلی کتب سماویہ چونکہ خاص وقت اور خاص قوم کے لئے تھیں۔ اس لئے وقت اور قوم کے ساتھ ہی انکی افادیت ختم ہو گئی قرآن چونکہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے داعی الی اللہ ہے۔ اس لئے اللہ

احاطہ ہے۔ اس میں کون تاجر رہتا ہے؟ "تاجر" بڑے بڑے لکڑ ہارے نے قحب سے کہا۔ معلوم ہوتا ہے تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو؟ یہاں تاجر کہاں سے آیا؟۔ یہاں تو شیخ جنید بغدادی رہتے ہیں۔ ابن سابط اس نام کی شہرت سے بے خبر نہ تھا۔ لیکن صورت آشنا نہ تھی۔ ابن سابط مکان کی طرف چلا۔ رات کی طرح اس وقت بھی دروازہ کھلا تھا۔ یہ بے تامل اندر چلا گیا۔ سامنے وہی رات والا ایوان تھا۔ یہ آہستہ آہستہ بڑھا اور دروازے کے اندر نگاہ ڈالی وہی رات والی چٹائی بیچھی تھی۔ رات والا تکیہ ایک جانب دھرا تھا۔ تکیہ سے سہارا لگا رہی اجنبی بیٹھا تھا۔ تیس چالیس آدمی سامنے تھے۔ داعی اجنبی تاجر نہیں تھا۔ شیخ جنید بغدادی تھے۔ اتنے میں عشاء کی آذان ہوئی۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب لوگ جاچکے تو شیخ بھی اٹھے۔ جو نبی انہوں نے ابن سابط کو دیکھا تو وہ شیخ کی طرف بے نیازا بڑھا اور قدموں میں گر گیا۔

سمندر کا قحط بند تھا۔ آنکھوں میں جو کبھی تر نہیں ہوئی تھیں۔ دجلہ کی ستیوں بھر گئی تھیں۔ دیر تک رکی رہیں۔ مگر اب نہیں جک سکتی تھیں۔ آنسوؤں کا سیلاب آ جاسے جو پھر دل کی کون سی کٹافٹ ہے جو باقی رہ سکتی ہے۔ شیخ نے شفقت سے اس کا سر اٹھایا۔ یہ کھڑا ہو گیا۔ مگر زبان نہ کھل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ جب نگاہوں کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گزر چکا ہے شیخ احمد ابن سابط کا شمار سید الطائفہ کے طبقہ ارادت کے اہل فرائض میں ہے جو سب میں پیش پیش ہیں۔ شیخ کہا کرتے۔ "ابن سابط نے وہ راہ لہوں میں طے کر لی جو دوسرے برسوں میں بھی نہ طے کر سکے۔"

ابن سابط کو چالیس برس تک دنیا کی دہشت انگیز سرزمین نہ بدل سکیں۔ مگر محنت اور قربانی کے ایک لمحہ نے عید ڈاکو سے اہل اللہ بنا دیا۔

دلِ شہداء ہم کو نہ تندر
شہید کہ مرادان را تندر

حضرت میں ایسی چیزیں

اسلامی آئین اور چند پارہائے دل

از جناب مولوی عبد الحمید صاحب

اے شوق کی بے باکی وہ کیا تیری خواہش تھی جس پر انہیں غصہ ہے انکار بھی حیرت بھی

مساجد - مساجد کی گونا گون عمارت

پہلے بھی آپ نے غور نہیں کیا؟ کوئی تو اس قدر تنگ ہیں کہ دس نمازی بھی مشکل ہو سکیں۔ اتنی تاریک کہ دروازہ سے گھسنے ہی باقی کہ باقی بھی سمجھائی نہ دے۔ کوئی اتنی وسیع و فراخ کہ ہزاروں کے نہیں ایک لاکھ افراد کے اجتماع عظیم کو سہولت تمام ہوش میں لے لیں۔ اس قدر روشن اور اتنی پُر ضیا کہ بقیہ نور کا گمان ہونے لگے۔ رات میں دن کا منظر پیش کر دیں۔ گنبد اور مینار اور در و دیوار کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ انسان یہیں کا ہو رہے۔ جھوک اور پیاس برداشت کرے۔ لیکن راحت و سکون کی اس بستی سے جدا نہ ہو۔ منبر و محراب، در و دیوار فرش و سقف پر نقش و نگار پر نظر ڈالئے تو انگشت حیرت بے اختیار در و دریاں سے جا پھوست ہو۔ زبان سبحان اللہ و مرجبا کی صدا میں بلند کرنے پر اپنے آپ کو جھوٹے پائے۔ یہ گنبد و مینار یہ منبر و محراب یہ در و دیوار یہ درجہ و سقف پر رونق و ضیا بار یہ شہروں کی دلکش و دلربا مساجد جامع اور یہ دیہات کی تنگ و تاریک چھوٹی چھوٹی نماز پجگاہ کی مسجدیں اپنی زبان حال سے شب و روز پکار پکار کر یہ صدا بلند کرتی ہیں کہ اس ملک کو "آئین اسلام" سے کمتر کسی چیز کی حاجت نہیں۔

روز افزونی - پھر بھی نہیں کہ جو مساجد

عالم وجود میں آ چکیں اور موجود ہیں۔ انہی پر اکتفا کر لیا گیا ہو۔ نہیں جہاں مسلمان کا قفا پہنچتا ہے مساجد کی وسیع و عریض سرنگاہ پر شکوہ عمارت گونا گون کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا ہے پاکستان کے منصوبہ شہر پر آتے ہی جہاں نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ وہاں مسلمانوں نے اپنے بولا کے ان گھروں کی تعمیر سے بھی غفلت نہیں بنی جن کو مساجد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے روز بروز نئے نئے نقشے اور جدید طرز تعمیر کے بولچھوں نے بھی عمارت مساجد کی شکل میں ان بستیوں میں بلند جلوہ گر ہونے لگے۔ مسلمان بھوکا پیاسا اور تنگ رہ لے گا۔ لیکن اس عمارت کو جس سے اسے روحانی طاقت و راحت کا سالان

ہوا ہوتا ہے۔ شاندار و دل آفرین بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرے گا۔

ہندوؤں اور سکھوں کے متروکہ کوچے اور محلے جن میں اللہ اکبر کی صدا بلند کرنا جرم عظیم سے کم نہ تھا۔ آج جا کر دیکھئے تو جابجا برفروغ و دلکش مساجد کی عمارت تکمیل پذیر ہو چکی ہیں ان میں جہاں برفروغ اذان کی صدائیں بلند ہوتی ہیں وہاں بعض ہیں جمعہ و عید کے خطبے بھی پڑھتے آواز مکر الصوت نشر کئے جاتے ہیں۔ یہ مظاہر سرور فروشی و جاں نثاری یہ مناظر ایشیاء ہندی و ملت ہندی میں اس جذبہ منبر کے منظر ہیں کہ یہاں کے بسنے والے مسلمان ہیں۔ اسلام کے پیرو ہیں ہم کہیں سکھ اور انہیں اصلی

"اسلامی دستور"

ہیا کرو اس نام سے اگر کوئی چیز ان پر ٹھونسنے کی سعی کی گئی ہو تو قابل قبول نہ ہوگی۔

شفق عظم دین - آپ نے کبھی اس پر

بی غور فرمایا۔ کہ علم دین پڑھنے والوں پر سرکاری ملازمتوں کے تمام دروازے بند ہیں۔ عہدہ و منصب کی کوئی کمرسی نہیں۔ جس کے قابل نہیں بھی سمجھا جا سکے۔ عزت و عظمت دیوی کا کوئی رتبہ ایسا نہیں۔ جس پر فائز ہونے کا اہل علم کی نظر میں انہیں بھی قرار دیا جا سکے۔ اس کے باوجود مدارس دینی و کتابت اسلامی میں ایک نظر جھانک کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ ہزاروں بندگان خدا قرآن و حدیث کو اپنی چھاتی سے لگائے بیٹھے ہیں۔ تحصیل فقہ و تفسیر کے لئے اگر تمام عمریں ان فقید المثال اذان و قوی کو وقف کر چکے ہیں۔ اپنی یہ صلاحیتیں اگر کسی دوسری جانب صرف کرتے تو ثروت و جاہ کا کون سا دروازہ تھا۔ جسے کھولنے میں یہ کامیاب نہ ہو سکتے۔ لیکن نہیں یہ اپنی موجودہ مصروفیت میں گمن اور مہلث ہیں۔ تحصیل سے فارغ ہوتے ہیں تو تدریس و تبلیغ دین کے فریضہ کو اسی ٹوٹی چٹائی پر چھوٹی چھت کے نیچے انجام دینے کو (اپنی خوش نصیبی و نیک فرجامی کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ترقیب و تربیب کا کوئی حربہ انہیں اس صراط مستقیم سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ اگر نہ ہوتے

تو آپ کو معلوم نہیں آج سرزمین ہند و پاکستان میں علم دین کا کوئی نام لیوا چلنے لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا۔ مگر اسلام ہے کہ زندہ پائندہ و تابندہ ہی نہیں۔ بلکہ روز بروز مدارس ترقی و ترقی پر گامزن ہے۔ و لو کبراء الکافرون۔

مدارس و کتابت دینی کی یہ کامیابی مسلمانوں کی مجموعی اعانت و نصرت کے بغیر اپنے کارنامے ہرگز انجام نہ دے سکتی تھی۔

ان کی تہ میں جو دولت کام کر رہا ہے۔ اس کا مدعا آپ جانتے ہیں کیا ہے؟ وہ یہی تھا جو اعلان ہے کہ ہم اسلامی اذان رکھتے ہیں جن کو

"اسلامی دستور"

کے بغیر کسی قالب میں ہرگز نہیں ڈھالا جاسکتا۔

جذبہ تلاوت قرآن عزم

اس حقیقت نفس الامری سے بظاہر کوئی انکار کر سکتا ہے کہ سولہ ان احادیث سے چند افراد کے جن کی مغرب روگی اتنا کھینچ چکی ہے انگریز پرستی اور موہوم ترقی پسندی کے باطل ٹھیل نے جن کے دامن سمیت کو احساسات مذہب ملت سے یکسر خالی کر دیا ہے۔ تمام مسلمان اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم کا ہمارا قرآن عزیز سے کرتے ہیں۔ دین اسلام کے سچے اور شخص پیروں کے علاوہ جدید علوم کے دالا و شیدا ترقی پسند مسلمانوں کی اکثریت کا بھی قلبی رجحان یہی ہے کہ ان کا لخت جگر قرآنی علوم و فنون کا اگر ماہر نہیں بن سکتا۔ قرآن پاک کو حفظ نہیں کر سکتا تو کم از کم اس سے اس قابل تو بنانا چاہیے کہ ناظر قرآن خوانی کر سکے۔ عام مسلمانوں میں قرآن پاک کی تلاوت کر سکتا ایک سند علمی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس سند کے حصول کی خاطر بچے کو کسی حافظ قرآن یا عالم قرآن کے سامنے ڈال دیا کہ وہ تلاوت کرے اور اس کے (بظرف عامیانہ) دست درجہ کے افراد ہی نہیں امرائے ہند تہ مدارج کے لوگ بھی اپنے اور اپنی اولاد کے لئے باعث خیر و برکت تصور کرتے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟ چند سورتوں کا یاد ہونا اور وقتاً فوقتاً ان کی تلاوت کرتے رہنا ابدی سعادت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور اس سے محرومی ابدی سعادت و خلاص سے محرومی کے مترادف خیال کی جاتی ہے آخر کیوں؟

ماہ رمضان میں قریب قریب تمام مساجد میں حفاظ قرآن حکیم کی اس خدمت سے استفادہ کرتا ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے کہ نماز تراویح میں مکمل کلام پاک کا استماع کیا جائے۔ مساجد میں

چاہیے جو ہماری تمام ملی مذہبی اور اخلاقی
خامیاں دور کر کے اسلام کے جادہ مستقیم پر
بلائے۔ اور تمام مسلمانوں کو
بنیاد پر موقوف بنادے

صحابہ کرام کی قربانیاں

انجیل راجہ لالہ احمد صاحب کراچی لکھنؤ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا ہے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اس تقریر کو سن کر مسکرائے اور کہا اے سرور! ایک پھانسی نہیں اگر دوسری پھانسی بھی موجود ہوں۔ تب بھی میں کلمہ حق سے ہرگز انکار نہیں کروں گا۔ کیا تمہارے پست ترین خیال میں چند روزہ عیش و آرام، چند ہزار درہم و دینار ایک حسین ترین عورت اور ایک خوبصورت مکان میرے ایمان کی قیمت ہو سکتی ہے۔ یہ تمہارا دھم و گمان ہے۔ اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ اے مسلمان عرب میں نہیں یقین دلاتا ہوں کہ اسلام سے بہتر کوئی مذہب ہوئے زمین پر نہیں وہ ایک کامل اور اکمل ترین مذہب ہے۔ اس نے خدا پرستی اور خدا کی واحدانیت کی ایسی تقسیم دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اسلام کتنا ہے۔ کہ انسان کے فرائض و اعمال میں سب سے مقدس فرض یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت کا اقرار کرے اور اس پر قطعاً یقین کرے کہ وہ وحدہ لا شریک ہے۔ وہ تمام مخلوق کا رازق ہے۔ وہ ہر ذی روح کو مدق پہنچاتا ہے۔ ہر چیز اس نے پیدا کی۔ وہ تمام دنیوی نعمات کا سرچشمہ ہے۔ یہ ہے وہ اعتقاد جو باعث نجات ہے۔ اب مسئلہ رسالت پر خود کو کہ کچھ سے چند ہفتے پہلے ہر طرف غفلت و کفر کی گھٹا پھائی ہوئی تھی اور ہم بتوں کے پرستار تھے۔ ہمارے اخلاق کا دیوالہ ٹل چکا تھا۔ ہماری برائیاں دیکھ کر انسانیت بانی بانی ہو جاتی تھی اور ہم ان تنگ انسانیت اعمال پر فخر و مباحث کیا کرتے تھے۔ ان حالات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور آپ نے منصب نبوت پر سرفراز ہو کر ہماری اصلاح کی۔ خود حضور اور شروع سے پرہیزگار تھے۔ بلند اخلاق۔ نہایت رحمدل وہ دینی جاہ و جلال کو ذرہ بھر بھی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں۔ ان کی ذات منبع خیر و برکت ہے۔ وہ حد درجہ راستباز ہیں۔ ان کو اپنے نفس پر بے انتہا حکومت ہے وہ نہایت مقدس ہیں ان کا دل ہوا و ہوس سے پاک ہے۔ میں سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ انہیں خداوند قدوس نے گمراہوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور وہ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ پس اے خدا کے بندو! میں انہیں یقیناً

ایک مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ جب حق میں اس کو بڑی سے بڑی اور عظیم ترین شخصیت مرعوب نہ کر سکے اور شدید مظالم اس کو راہ حق سے ڈکھلا نہ سکیں۔

سرفروشان اسلام میں حضرت خبیب اور زید کو ایک شان امتیازی حاصل ہے۔ ان کی شہادت کا مختصر حال سن لیجئے۔ پانچویں سال ہجری کا تھا ہے کہ عرب کے ایک ممتاز قبیلہ نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا اور حضور سرور کائنات سے درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ کے اکثر افراد اسلامی تعلیمات سے بے خبر ہیں۔ اس لئے اندر وہ کرم چند مبلغین ہمارے شہر میں بھیج دیجئے تاکہ ہم مذہبی معلومات سے مستفید ہو سکیں۔ حضور نے ان کی استدعا منظور فرما کر دس مبلغین کو ان کے ہاں بھیج دیا۔ ان میں حضرت زیدؓ اور حضرت خبیبؓ بھی تھے۔ لیکن جب مبلغین اسلام وہاں پہنچے تو کفار نے بدھدی کی اور داعیان اسلام پر دفعہ حملہ کر کے آٹھ آدمی شہید کر دیئے اور دو کو زندہ گرفتار کر لیا۔ کفار نے خبیبؓ اور زیدؓ سے کہا تم اپنی تلواریں ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں قطعاً نقصان نہ پہنچائیں گے۔ بریں وجہ ان دونوں حضرات نے اپنے اسلحہ جات ان کے حوالے کر دیئے۔ لیکن ان لوگوں نے خلاف وعدہ ان کی شلیں کس لیں اور مکہ میں لا کر فروخت کر دیا۔ اب قریش مکہ نے جو ان پر لہزہ خیز اور زہرہ گمانہ مظالم کئے وہ داستان انتہائی غمناک ہے تقریباً وہ ہفتے تک ان ہر دو حضرات کو ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا اس کے بعد انہوں نے میدان حرم میں جس دلیرانہ انداز اور سکون قلب کے ساتھ تختہ دار پر اپنی جانیں قربان کیں۔ تاریخ اسلام میں وہ نہیں اور اقوام ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ قریش نے اپنے دل کا دھبہ اپنے ملے مظالم کا آئینہ اس طرح کیا کہ سب سے اول حضرت خبیب کو پھانسی کے تختے پر لے جایا گیا تو ایک سرور قریش نے ان سے کہا کہ اے دانشمند آدمی ہم تجھ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک طرف تو اسلام کا دھبہ کتنا ہے اور یہ پھانسی ہے اور دوسری طرف لات و عجز کی عظمت کا اقرار ہے اور عیش و آرام ہے۔ اگر تم اس وقت اسلام سے بیزاری کا اظہار کر دو اور محمدؐ کے دشمن بن جاؤ تو ہم تمہیں فوراً نہ موت آواز کر دیں گے۔ بلکہ آزاد کرنے کے بعد بغیر مناسب مال و زر دیں گے۔ نیز اچھا مکان تعمیر کر دیں گے

قرآن مجید ایسے جہنموں کے یہ جہیز ہیں یا خدا کی لعنت۔ ذرا سی دیر کے لئے اپنی واہ و آ کرنا اور اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے بتاوی میں ڈال لینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر جہیز دینے میں صلہ رحمی یعنی سلوک و احسان مقصود ہوتا تو معمولی طور پر جو پیترا تا اور جب میرا تا دے دیتے اور کوئی شخص قرص کا بار نہ اٹھاتا۔ لیکن محض اس بات کی خاطر کہ آج برادری میں میری ناک نہ کٹے اور کوئی پہل نام نہ رکھے۔ اکثر اوقات فرضدار بھی ہو جاتے ہیں۔ گو سود ہی دینا پڑے اور گو مکان یا جائداد ہی گروی ہو جائے۔ مگر دو گھڑی کی واہ واہ ضرور ہو جائے اور پھر مصیبت یہ ہے کہ بعض مرتبہ اس اہتمام پر بھی دیکھنے والوں کو پسند نہیں آتا۔ خوب عجیب نکالتے ہیں اور بدنام کرتے ہیں چنانچہ ایک امیر آدمی کے پاس صرف ایک لڑکی تھی۔ اپنی طرف سے اس نے خوب ایڑی چوٹی کا زور لگا کر جہیز طیار کیا۔ جب جہیز دکھانے کے لئے رشتہ دار اور ہمسائے بلائے گئے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ واہ بھی واہ بڑا جہیز دیا۔ دوسرا بولا واہ کیا خاک جہیز دیا ہے ایک ہی بیٹی تھی۔ اگر میرے پاس ایک ہی بیٹی ہوتی تو سونے چاندی میں لا کر بھیجتا۔ یہ تو اس نے کچھ بھی نہیں دیا۔ اتنا تو ایک معمولی سے معمولی آدمی بھی دے دیتا ہے۔ یہ تو وہی شل ہوئی کہ مرغی اپنی جان سے گئی اور کھانے والوں کو مزہ بھی نہ آیا۔ خوشی کی جگہ بعضوں کو تو پٹورا جبر گزرتا ہے تو معلوم ہوا کہ ناموری اور شہرت کے لئے کوئی کام کرنا ہمارے نہیں اور یہاں تو خاص ہی نیت ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کہیں غلامی نے اتنا دیا۔ ورنہ مطعون کہیں گے۔ نام رکھیں گے۔ اور خاندان بھر میں ٹکڑے ٹکڑے اس کی ذلت و حقیر اور اس پر ظلم و ملامت کہیں گے بھنے کہتے ہیں کہ انہوں سے سلوک کرنا تو عبادت اور ثواب ہے۔ پھر اس میں گناہ کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سلوک اور احسان، رتہ تو بے پابندی اور دکھاوے کے دینے میں اپنی وسعت اور دوسرے کی حاجت کے مطابق دیتے۔ یہاں تو عزیزوں پر غافقے گزرتے جائیں خبر بھی نہیں لیتے رہیں کرتے وقت نام و نمود کے لئے سلوک و احسان کا نام رکھ لیا۔ اصل میں ہے یہ نامزدی و تفاخر۔ ریا و افتخار کا اظہار جو اصل مقصود ہے اس کا بچاؤ یہی ہے کہ جہیز ہمراہ نہ بھیجا جائے پھر اطمینان کے وقت اور اپنی گنجائش کے موافق جو ضروری اور کام کی چیزیں ہوں اپنی لڑکی کو دکھلا کر پھر کوئی جائیں۔ وہ جب چاہے لے جائے۔ چاہے ایک دفعہ چاہے کئی دفعہ کرے۔ (باقی آئندہ)

شرائط شرط کی جمع ہے

ارکان رکن کی جمع ہے۔ رکن کے معنی رکن
ہے۔ ارکان کے معنی فرائض ہیں۔ سندرجہ ذیل
چیزیں شرائط نماز ہیں۔

(۱) وضو کرنا۔ اس کے متعلق ہم مہنت روزہ خدام الدین اور کی اشاعت مورخہ ۲۴ جون ۱۹۹۰ء میں ضروری باتیں بیان کر چکے ہیں۔

(۲) کپڑوں کا پاک ہونا۔ (۳) جگہ کا پاک ہونا (۴) ہنتر چھپانا۔ مرد کو ناف سے گھٹنے تک اپنا بدن چھپانا فرض ہے۔ یہ ایسا فرض ہے جو نماز کے اندر بھی فرض ہے اور نماز کے باہر بھی فرض ہے۔ عورت کو سوائے دونوں ہتھیلیوں پاؤں اور منہ کے تمام بدن کا ڈھانکنا فرض ہے۔ اگرچہ عورت کو نماز میں منہ چھپانا فرض نہیں۔ لیکن غیر مردوں کے سامنے بے پردہ کھینے منہ آنا جائز نہیں۔

(۵) وقت کی پابندی (۶) قبیلہ کی طرف متہ کرنا۔ مسلمانوں کا قبیلہ خانہ کعبہ ہے جو کوسٹے کی شکل کا ایک گھر ہے۔ یہ ملک عرب کے شہر مکہ معظمہ میں واقع ہے۔ پاکستان میں قبیلہ مغرب کی طرف ہے (۷) نیت کرنا (۸) تکبیر تحریرہ یعنی اٹھ اکر کہنا۔

ارکان نماز کا بیان

۱۱) قیام یعنی اس طرح سیدھا کھڑا ہونا کہ ٹھٹھوں
تک ہاتھ نہ پہنچ سکے (۲) قرآن مجید پڑھنا۔
سورۃ الفاتحہ کے ساتھ تین آیات یا کوئی
چھوٹی سورت پڑھنا (۳) رکوع کرنا (۴) وہ سجدہ
کرنا (۵) قعدہ ایضاً۔ یعنی نماز کے اخیر میں "تسبیح
پڑھنے کی مقدار میں بیٹھنا۔

کلمہ طیبہ کے بعد اسلام میں نماز سب سے زیادہ اہم رکن ہے۔ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کفر اور ایمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہی ہے۔ بالغ ہونے کے بعد مرنے ہم ایک نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ کہتے ہیں کہ قرآن میں نماز کا حکم ستر دفعہ آیا ہے۔ ہر امیر و غریب شاء دگلا کے لئے نماز ضروری ہے۔ ہتھ ایک بات اور یاد رکھو۔ اگرچہ نماز اتنی ضروری چیز ہے۔ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی جھوٹی اور مضدوی کو دیکھ کر اس میں تخفیف کر دیتے ہیں مثلاً مسافر کے لئے نماز کی قصر کا حکم دے دیا۔ یعنی ۲ رکعت فرض کی بجائے اگر وہ وہ دو رکعت میں پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیگا۔

داتی جی

چچو کا صفر - مرتبہ: ع-م-ج-ان
نماز
چچو! نماز کے متعلق چند موٹی
موٹی باتیں ہفت روزہ لاہور

بھو! نماز کے متعلق چند موٹی
موٹی باتیں ہفت روزہ اسلام آباد
پورہ - نور محمد کیم جولاہی ۱۹۵۵ء میں بیان ہو چکی ہیں
باقی باتیں ہم آج بیان کر رہے ہیں۔

نماز کی کچھ شرائط ہیں اور کچھ ارکان

شرائط :- ان چیزوں کو کہتے ہیں جو نماز سے باہر ہیں اور ارکان نماز میں شامل ہوتے ہیں۔

۴۴۔ مجھے نقل کرنا چاہئے ہو تو کرو۔

کفار نے حضرت زبیرؓ پر بھی بے پناہ ظلم کر دیا۔
 وہ زخموں میں پھونچ رہا تھا کہ نے کے بعد ان کو
 می جام شہادت پلا دیا۔

بنا کر دُعا خوش رہے بخاک و خون علیہین
 خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طبیعت را
 ثَابِتُنَا عَلَی الْأَرْضِ نَبِیُّہَا لَهَا الْبَقَاؤُ هُمْ أَیُّہُمْ
 حَسْبُ عَمَلًا ط دسورہ کیف رکوع ۱۔

”ہم نے ارضی چیزوں کو اس کی رونق کا
سامان بنایا تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان
میں سے اچھے عمل کرتا ہے۔ یعنی اس کی
رونق پر دوڑتا ہے۔ یا اسے چھوڑ کر آخرت
کو پکڑتا ہے“

جو لوگ دنیوی بناؤ سنگار پر ترجیح دیتے ہیں وہ خوب جان لیں کہ یہ ندرق برق اور چمکا چوند کر بننے والے دلفریب مناظر کوئی باقی رہنے والی نہیں۔ دنیا کے زیرِ مٹی سامان خواہ کتنے ہی جمع کر اور مادی ترقیات سے ساری زمین کو گلزار بنا لو ہنگ آسمانی ہدایت اور روحانی دولت سے محروم رہو گے۔ حقیقی سرور طمانیت اور دائمی مسرت و فلاح سے ہم آغوش نہیں ہو سکتے۔

میری اور ابدی کامیابی اور کامرانی صرف ان ہی لئے ہے جو اس مالک الملک کی خوشنودی پر کیا کی ہر ایک محبوب اور فانی مسرت کو توڑیں سکتے ہیں۔ اور راہ حق کی جادہ پتیلی میں کسی دولت سے نہیں گھبراتے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے طاقتور اور جبار حکمران کی تشریف و تزیین ان کا قدم نہیں ڈگمگاتا۔

میرے دوست! غلام کی وفاداری کا امتحان
 میں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے
 اس کے حکم سے کہ گزرے اور اپنی رائے یا
 ہر شے کو آقا کی مرضی کے تابع بنا دے ورنہ
 یہ ان چیزوں کا مان لینا جو مرضی اور خواہش
 سے موافق ہوں۔ یہ کون سا کمال ہے۔ راضی
 رضاء آقا ہونا ہی اطاعت ہے۔

وما توفيقي الا بالله -

کرتا ہوں کہ اسلام کی مخالفت سے باز آ جاؤ۔ اور
 حضرت محمدؐ کو بُرا نہ کہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو
 قہرِ ملت میں گرو گے۔ بس میں اپنی تقریر ختم
 کرتا ہوں۔“ اب تم مجھے پچانسی دے سکتے ہو۔
 اب کفار نے ان کو پچانسی کے سنتوں سے
 باندھ دیا۔ پھر نیزہ برداروں اور نیزہ اندازوں کو
 دعوت دی کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے صدق
 ایمانی کا امتحان لیں۔ سب سے پہلے ایک ناہنجار
 ظالم آگے بڑھا۔ اس نے ان کے جسمِ اطہر کے
 مختلف حصّوں پر نیزے سے چمکے لگائے۔ اب
 ان کے جسم سے خون کے قطرے بہنے لگے۔ خیب
 کے صبر و رضا اور کفار کے انسانیت سوز مظالم کا
 تصور کیجئے۔ آپ کے ہاتھ پاؤں بندھے ہیں۔ کبھی
 تیر آتا ہے تو دل سے پار ہو جاتا ہے اور کبھی
 نیزہ سینہ چیر دیتا ہے۔ ان کے عضو عضو سے
 خون جاری ہے۔ مگر ان انتہائی لہرہ خیز اور
 سنگدلانہ مظالم کے وقت بھی وہ شوقِ شہادت میں
 سرشار ہیں۔ غرضیکہ جو خوفناک تکالیف ان کو دی
 گئیں ان کو لکھتے ہوئے قلم تھراتا ہے اور دل
 نہرتا ہے۔ تلواروں تیروں اور نیزوں سے ان کا
 بدن بھلنی کر دیا گیا۔ بعد ازاں پچانسی سے کہ
 ان کی شمعِ حیات گل کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
 اب جلاہ حضرت زیدؑ کے چاروں ہاتھ آہل
 تلواریں تانے ہوئے کھڑے تھے۔ پچانسی کا تختہ
 سلنے تھا۔ ایک قریشی سردار آگے بڑھا اور پوچھا
 ”زید کیا تم یہ چاہتے ہو کہ آج تمہاری بجائے

محمد کی لاش اس سولی پر لٹکتی ہوتی ؟
شیخ رسالت پر قربان ہونے والے مرد جاننا نہ کہہا
”خدا کی قسم! میں یہ پسند کروں گا کہ میری لاش
سولی پر لٹکا دی جائے۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہموں میں ایک کٹا بھی چھپے نہ پائے
اگر تم لوگوں کو انسانیت سے ذرا بھی واسطہ ہے
تو میں بے انگ دہل کتا ہوں کہ حضرت محمد کی
مکذیب و مخالفت سے باز آ جاؤ۔ میں تمہیں یقین
دلانا ہوں کہ دنیا میں ان سے ہتر کوئی انسان نہیں
وہ اکل ترین انسان۔ شرف و مجد کے حامل ہیں۔ ان
کے خلق عظیم کی یہ حالت ہے کہ وہ سخت سے سخت
بائیں کہاں خندہ پیشانی لیٹتے ہیں اللہ اپنے رسولوں
کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں۔ عفت و عصمت میں
کوئی ہستی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ زہد و تقویٰ کا
یہ عالم ہے کہ لڑتیں خدا کی راہ میں رکوع و سجود میں
گزار دیتے ہیں۔ ان کی فیاضی اللہ ایثار ضرب اہل
ہے۔ انصاف بحکم ہیں۔ حضور نے اپنی تعلیمات سے
ذاکروں اور ظالموں کو چشم زدن میں منتقی اور پہنچا
جلا دیا۔ یاد رکھو مشیت الہی دی ان کے شامل حال
ہے اور ان کا مشن ضرور کامیاب ہوگا۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ اگر تم ۱۴